بسم الله الرحمن الرحیم

حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام کی سیاسی اور مجاہدانہ زندگی
رہبرِ معظم انقلابِ اسلامی حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای (دام ظلّہ الوارف) کے بیانات اور تقاریر کی روشنی میں
ماخوذ از: "ڈھائی سو سالہ انسان"
مترجم: سید کوثر عباس موسوی
پروف ریڈنگ و تصحیح: سید عقیل حیدر زیدی
بہ کوشش: مدیریت زائرین غیرایرانی آستان قدس رضوی
طبع اول: ۱۴۳۸ھ ق/۱۳۹۵ھ ش/۲۰۱۷ء
تعداد: ۱۰۰۰۰ نسخے

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی سیاسی اور مجاہدانہ زندگی

امام محمد باقر علیہ السلام

رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ
سید علی خامنہ ای (دام ظلہ الوارف) کے بیانات اور تقاریر کی روشنی میں

امام محمد باقر

:: فهرست ::

پیش گفتار

۷

فکری اور تنظیمی تعمیر و ترقی کا دور

۱۳

اسلامی معارف و احکام میں تحریفات کا مقابلہ

۱۵

تنظیم سازی کی بھرپور کوششیں

۲۲

امام محمد باقر علیہ السلام کا ضمیر فروش علماء کے خلاف ردِّ عمل

۲۸

امام محمد باقر علیہ السلام کے اپنے شیعوں کے ساتھ روابط

۳۳

امام محمد باقر علیہ السلام کی شام طلبی

۴۰

:: فهرست ::

امام محمد باقر علیہ السلام کی اسارت اور رہائی

۴۵

امام محمد باقر علیہ السلام کا مسلح قیام سے گریز

۵۰

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وصیت

۵۶

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد مجموعی حالات

۶۱

امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا آغاز

۶۵

علمی مقابلہ

۷۱

پیش گفتار

عَنْ عَبْدِ السَّلَامِ الْهَرَوِيّ، عَنِ الرِّضَا علیہ السلام، قَالَ:

«رَحِمَ‌اللَّهُ عَبْداً أَحيَا أَمْرَنَا»، قُلْتُ: كَيْفَ يُحْيِي أَمْرَكُمْ؟ قَالَ: «يَتَعَلَّمُ عُلُومَنَا وَيُعَلِّمُهَا النَّاسَ، فَإِنَّ النَّاسَ لَوْ عَلِمُوا مَحَاسِنَ كَلَامِنَا لَاتَّبَعُونَا».

(عیون اخبار الرضا علیہ السلام، ج ۱، ص ۳۰۷)

جناب عبدالسلام بن صالح ہرویؒ (اباصلتؒ) روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے محضرِ مبارک میں تھا تب حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

”خداوند عالم اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر (مکتب اہلِ بیتؑ اور تشیّع) کو زندہ کرتا ہے“۔ راوی کہتے ہیں: میں نے پوچھا: (مولاؑ) آپؑ کا امر کس طرح زندہ کرے؟ امامؑ نے فرمایا: ”ہمارے علوم و معارف کو سیکھے اور دوسرے لوگوں کو سکھائے؛ کیونکہ اگر لوگ ہمارے کلام کی خوبصورتی کو جان لیں تو ضرور ہماری پیروی کریں گے۔“

خداوند بزرگ و برتر کے ہم انسانوں پر الطاف میں سے ایک لطف یہ ہے کہ اُس نے ہمارے درمیان ائمہ معصومین علیہم السلام کو قرار دیا ہے تاکہ ان معصوم ہستیوں ؑ کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ہم معنوی و الٰہی زندگی گزارنے کا طریقہ سیکھیں اور اُن کی مفید فرمائشات پر عمل کرکے ابدی سعادت کا سامان کر سکیں۔

سر زمین مشہد مقدس بہشت کا وہ ٹکڑا ہے جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند اور آسمان امامت و ولایت کے آٹھویں درخشاں ستارے کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے اور ہر سال ایران اسلامی اور دنیا بھر سے لاکھوں عقیدت مند زائرین اس ملکوتی بارگاہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں تاکہ اپنے تشنہ لب نفوس کو معارف اہل بیت علیہم السلام کے زُلال و خالص چشمے سے سیراب کریں۔

اس بارگاہِ منورہ کے خدمتگزاروں کے مجموعے "آستان قدس رضوی" کا ہر ایک فرد کسی نہ کسی طرح حضرت امام رضا علیہ السلام کے زائرین گرامی کی خدمت میں مشغول ہے تاکہ وہ اطمینانِ خاطر اور آسودگی کے ساتھ زیارت کے فریضے کو انجام دے سکیں اور اس آسمانی و نورانی بارگاہ سے مکمل طور پر بہرہ مند ہو سکیں۔ اسی سلسلے میں "آستان قدس رضوی کی مدیریت زائرین غیرایرانی" نے بھی ہمیشہ کوشش کی ہے کہ مختلف انداز سے اہلِ بیت علیہم السلام

اور بالخصوص حضرت امام رضا علیہ السلام کی راہ و روش اور سیرت و زندگی کو اس مکتب کے دوستوں اور چاہنے والوں کے لیے پیش کرے۔

اس مدیریت زائرین غیرایرانی کے تمام اقدامات، انقلابِ اسلامی کے رہبر فرزانہ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کی فرمائشات کو تحقّق بخشنے، آستان قدس رضوی کے محترم متولی کے اوامر کو بجالانے، آستان قدس رضوی کے بیس سالہ نصب العین کی سند کو تطبیق دینے اور غیرایرانی زائرین کی بصیرت افزائی اور معنوی رُشد و ارتقاء کی ضرورتوں کے پیش نظر اسلامی فرہنگ و ثقافت اور تمدن کو فروغ دینے کی غرض سے کیے گئے ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے غیرایرانی زائرین کی خدمت رسانی کے سلسلے میں اس ادارے کی بین الاقوامی سطح پر کی جانے والی کوششوں کے کچھ نمونے درج ذیل ہیں:
مخصوص ثقافتی پروگراموں کا انعقاد، حلقہ ہائے معرفت، تخصّصی اجلاس، علمی سیمینارز، تعلیمی کلاسز اور ورکشاپس، علمی و ثقافتی مقابلہ جات، شب ہائے شعر، مشرف بہ اسلام ہونے کے مراسم، مہارت دینے اور ہم فکری کے جلسات، خطوط کے جوابات، دنیا بھر کے گوشے گوشے میں کتابوں اور ثقافتی پروڈیکٹس کی ترسیل، شرعی اور اعتقادی سوالات کی جوابدہی، انٹرنیٹ کے ذریعے رضوی ٹاک پر بحث و

مذاکرہ اور خالص اسلامی معارف کا دنیا کی مختلف رائج اور زندہ زبانوں میں تالیف و ترجمہ کرکے شائع کرنا۔

عصر حاضر میں اسلام کی آواز دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ رہی ہے تاکہ دُور دراز کے درماندہ اور اپنی اصل کو فراموش کر دینے والے انسانوں کو بھی اُن کی حقیقت کی طرف پلٹائے اور اسلام طلبی و حق کے متلاشی دلوں کا بلند اور انسان ساز معارف کی طرف رجحان، سارے جہان میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے۔ اُمید ہے کہ عصر حاضر میں اس کتاب کا مطالعہ حق جویان کے لیے مفید واقع ہوگا اور اہل بیت عصمت و طہارت علیہم السلام کے زائرین اور چاہنے والوں کی معرفت بڑھانے میں مؤثر اقدام قرار پائے گا اور پروردگار عالم کی رضایت حاصل کرے گا۔

''اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَ مَتِّعْنی بِھُدًی صالِحٍ لا اَسْتَبْدِلُ بِهِ وَطَریقَةِ حَقٍّ لا اَزیغُ عَنْھاوَنِیَّةِ رُشْدٍ لااَشُكُّ فیها وَعَمِّرْنی ما کانَ عُمْری بِذْلَةً فی طاعَتِكَ''[۱]

پروردگارا! محمد و آل محمد پر درود و سلام بھیج اور مجھے

۱. صحیفہ سجادیہ کی پہلی دعا سے ماخوذ

ہدایت کے ایسے شائستہ راستے کی راہنمائی فرما کہ میں اس کے علاوہ کسی اور راستے کی خواہش نہ کروں اور مجھے ایسے حق کے راستے کی راہنمائی فرما کہ میں اس سے (باطل کی طرف) رُخ نہ پھیروں اور مجھے ایسی کامل نیت عطا فرما کہ میں اس میں (کسی قسم کا) شک نہ کروں اور مجھے ایسی طولانی عمر عنایت فرما کہ جسے میں تیری اطاعت و بندگی میں صرف کروں۔

مدیریتِ زائرین غیر ایرانی آستان قدس رضوی

امام محمد باقر

فکری اور تنظیمی تعمیر و ترقی کا دور

پانچویں امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا دور منطقی لحاظ سے مکمل طور پر امام زین العابدین علیہ السلام کے دور کا تسلسل ہے کہ اب کچھ لوگ اکٹھا ہونا شروع ہو چکے تھے اور تشیع کو اپنے وجود کا احساس ہونے لگا تھا۔ شیعیت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کا سلسلہ جو واقعہ کربلا اور اس کے بعد پیش آنے والے خونین حادثات (جیسے واقعہ حَرّہ اور توّابین کے قیام کے واقعات) اور ظالم خلفاء کی بے جا سختیوں کی وجہ سے موقوف ہو چکا تھا اور ممکنہ حفاظتی اقدامات کے بغیر اپنے نظریات کی نشر و اشاعت نہیں کی جا سکتی تھی، اب شیعیت مملکت اسلامیہ کے گوشہ و کنار اور بالخصوص عراق، حجاز اور خراسان میں اپنی جڑیں مستحکم اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنی طرف متوجہ کرچکی تھی؛ یہاں تک کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ محدود پیمانے پر فکری لحاظ سے آپس میں ہم آہنگی اور روابط بڑھا کر ایک سیاسی تحریک اور تنظیم کی بنیاد بھی رکھ چکی تھی۔

اب وہ دن گزر چکے تھے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ "پوری سرزمین حجاز میں ہمارے چاہنے والوں کی تعداد بیس(۲۰) بھی نہیں

ہے۔"[۱] اب امام محمد باقر علیہ السلام جب مسجد نبویؐ میں تشریف لاتے ہیں تو خراسان اور دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپؑ کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتی ہےاور اپنے فقہی مسائل سے متعلق آپؑ سے سوال و جواب کرتی ہے۔

اس دور کے مشہور علماء، جیسے طاؤوس یمانی، قتادہ بن دِعامہ اور ابو حنیفہ جیسے علماء نے (شیعیت اور امامت کے عقیدے سے قطع نظر) جب امام محمد باقر علیہ السلام کے علم و دانش کے چرچے سنے تو آپؑ کے علم سے استفادے یا بحث و مباحثے کے ذریعے آپؑ کو آزمانے کے لیے آپؑ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ اس زمانے میں کمیت اسدی نامی معروف شاعر کی فصیح و بلیغ زبان میں لکھی ہوئی مشہور منقبت "ہاشمیات" ہر شخص کے وردِ زباں تھی جس میں کمیت نے شعری زبان میں ائمہ اطہار علیہم السلام کے فضل و کمال، علم و دانش اور معنوی کمالات کو بیان کیا ہے۔

دوسری طرف مروانی خلفاء، عبد الملک ابن مروان (متوفی۸۶ھ ق) کے بیس سالہ دورِ خلافت کے بعد، اپنی انتھک جدّوجہد اور ہر قسم کی مخالفتوں اور خلافت

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج۴، ص۱۰۴؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۱۴۳

کے دعویداروں کو تہہ تیغ کرکے اپنی کامیابیوں پر مطمئن دکھائی دیتے ہیں اور بغیر کسی محنت و مشقّت کے ملنے والی خلافت کی اپنے پیشروؤں کی طرح قدر دانی بھی نہیں کرتے، نیز اپنے منصب اور عہدے کے جاہ و جلال پر مبنی سرگرمیوں میں کھو جاتے ہیں اور تشیع کی سرگرمیوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے؛ جس کے نتیجے میں امام محمد باقر علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب ایک حد تک تشیع کے اُمور میں خلفاء کی (بے جا) مداخلت سے امان میں رہتے ہیں۔

جی ہاں! کئی لحاظ سے حالات تشیع اور امامت کے حق میں تبدیل ہو چکے ہیں، ایسے حالات کے پیشِ نظر ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام اپنے دورِ امامت میں اپنی جدّوجہد اور کوششوں کے ذریعے تشیع کو اس کی آخری منزل کی طرف ایک قدم آگے بڑھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کے دورِ امامت کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔[1]

اسلامی معارف و احکام میں تحریفات کا مقابلہ

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی اور آپؑ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بات کی جا سکتی ہے، لیکن میں یہاں آپؑ کی زندگی سے متعلق صرف دو نکات کی طرف اشارہ

۱۔ پیشوائے صادق، ص۳۲۔۳۳

کرنا چاہتا ہوں:

آپؑ کی زندگی کا پہلا اہم کام؛ اپنے دورِ امامت میں اسلامی معارف اور احکام میں کی جانے والی تحریفات سے آپؑ کا مقابلہ ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے دورِ امامت میں پہلے سے کئی گنا زیادہ منظّم اور وسیع پیمانے پر اسلامی احکام میں تحریف کا مکروہ دہندہ ہو رہا ہے۔ تحریفات کے مقابلے سے کیا مراد ہے؟ تحریفات کے مقابلے سے مراد یہ ہے کہ دینِ مقدسِ اسلام، اپنے بنیادی معارف اور قرآن و سنت سے استنباط شدہ فقہی احکام کے لحاظ سے چند خصوصیات اور شرائط کا حامل ہے، اگر کسی انسانی معاشرے اور زندگی پر یہ احکام لاگو ہوں اور لوگ ان تعلیمات سے آشنائی حاصل کریں اور ان کے پابند ہو جائیں، تو پھر اس اسلامی معاشرے میں بعض چیزوں کو برداشت کرنا ناممکن ہوتا ہے؛ مثلاً کسی ظالم، فاسق، فاجر اور دین سے بے خبر شخص کی حکومت اور اسی طرح مال و دولت کی غیرعادلانہ تقسیم کو کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا آج بھی اسلامی ممالک میں رائج بہت سارے مفاسد اور برائیاں جو پائی جاتی ہیں، کسی بھی صورت میں اسلامی تعلیمات سے میل نہیں کھاتیں۔

بعض سلاطین اور حکمران جو خلیفۂ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے برسرِ اقتدار آئے تھے (جیسے بنو اُمیہ اور بنو

مروان) وہ کسی بھی صورت اسلامی معاشرے پر حکمرانی کے اہل نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں فسق و فجور، ظلم و جور، نسل پرستی، جہالت اور دیگر برائیوں کو خوب پروان چڑھایا، کیونکہ اگر قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات کو ان کی اصلی روح کے مطابق لوگوں کے سامنے بیان کیا جاتا تو پھر ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ اپنی حکومت اور اقتدار کو دوام بخش سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسلامی احکام میں تحریفات کا سہارا لینا شروع کیا اور وہ بھی مختلف شکلوں میں انجام دیتے تھے؛ ان میں سے ایک طریقہ یہ تھا کہ یہ خلفاء اپنے زمانے کے معروف فقہاء، علماء، محدّثین اور قاریانِ قرآن کو خریدتے اور انہیں اپنے پاس بٹھا دیتے تھے اور انہیں کبھی ڈرا دھمکا کر اور کبھی مال و دولت اور عہدوں کا لالچ دے کر اسلامی تعلیمات کی اپنی خواہشات کے مطابق تفسیر و تشریح کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔

قارئین کرام! اگر آپ پہلی اور دوسری صدی ہجری کی اسلامی تاریخ پر نگاہ کریں تو آپ کو ایک عجیب و غریب قسم کا منظر دکھائی دے گا۔ بہت سارے مشہور و معروف مقدّس مآب، متقی اور پرہیز گار لوگ خود کو ان ظالم و جابر حکمرانوں کے درباروں کے لیے وقف کر کے ان کی خدمت میں مصروف نظر آتے ہیں اور یہ لوگوں

کے سامنے اسلامی تعلیمات کی عجیب و غریب قسم کی تشریحات کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مثلاً کوئی عالم یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں "اولو الامر" کی اطاعت کا جو حکم دیا ہے اس سے مراد برسرِ اقتدار حاکم ہے، چاہے اس نے کسی بھی طریقے سے اقتدار حاصل کیا ہو، اگرچہ اس نے ظلم و جبر، مکر و فریب، بندوق کے زور یا اپنی طاقت کے بل بوتے پر ہی کیوں نہ اقتدار حاصل کیا ہو، وہی اولو الامر ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا نامعقول اور باطل نظریہ ہے کہ جب تک اسے کسی بھی طریقے سے اسلامی تعلیمات سے نہ جوڑا جائے کوئی بھی (آزاد منش) انسان اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان بےضمیر فقہاء اور علماء نے اس قسم کے غلط نظریات کو اسلام کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس قسم کے اور بھی بہت سارے غلط نظریات اسلامی تاریخ کی پہلی اور دوسری صدی ہجری میں اکثر و بیشتر نظر آتے ہیں۔

تحریف کی ایک شکل یہ تھی کہ ایسے بےضمیر علماء اور فقہاء کو خلفاء اپنے ساتھ مکہ اور مدینہ لے جاتے اور مجالس و محافل میں لوگوں کے سامنے لے آتے اور انہیں اپنی تائید کے لیے بہترین وسیلہ سمجھتے تھے۔

ایسے عالم نما، فقیہ نما، مقدّس مآب، پرہیز گار اور

متقی لوگ خلفاء کی خدمت کے لیے درباروں میں ہر آن موجود ہوتے تھے یہ حکمرانوں کی خواہشات کو دین کے احکام کے نام پر لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے۔ ان فضول اور غلط نظریات میں سے بہت ساری چیزیں آج بھی تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ بہت سارے لوگ ان باتوں پر اب بھی یقین رکھتے ہیں۔

تحریف کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ جب یہ خلفاء طاقت کے نشے میں مست ہو جاتے اور انہیں یہ محسوس ہوتا کہ لوگ ان کی ایسی باتوں کو ماننے پر مجبور ہیں تو پھر (اپنی خواہش کے مطابق) کسی بھی بات یا نظریے کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ پورا اسلامی معاشرہ اسے اسلامی تہذیب و ثقافت کے ایک حصہ کے طور پر قبول کر لیتا تھا۔ یہ لوگ ان باتوں کو اس حد تک پھیلاتے اور دُہراتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں نقش ہو جاتی تھیں؛ مثلاً عبد الملک بن مروان کے دورِ اقتدار میں اس کے بعض کارندوں کا یہ عقیدہ تھا کہ خلافت نبوت سے افضل ہے اور وہ اپنے اس غلط اور باطل نظریے کا برملا اظہار بھی کرتے تھے۔

یہ لوگ صرف اس بات سے بھی راضی نہیں تھے کہ عبد الملک بن مروان اور اس کی فاسق و فاجر اولاد

کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور خلافت کے عظیم منصب کا حقدار قرار دینے پر اکتفا کرتے (کیونکہ خلافت اور جانشینیِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس بھی ان کے قد و قامت پر کِسی طرح نہیں جچتا تھا، کیونکہ وہ غاصب تھے) بلکہ وہ ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ خلافت نبوّت سے کہیں زیادہ افضل ہے۔ دین اسلام میں اس قسم کی تحریفات سامنے آگئی تھیں جن کا بنیادی مقصد بنو اُمیہ اور بنو عباس کے ظالم سلاطین کو اپنے اقتدار اور سلطنت کو دوام دینا تھا اور یہی غلط پروپیگنڈہ باعث بنا کہ حکومتِ اسلامی کے حقیقی اور اصلی حقدار اپنے حق سے محروم ہو جائیں۔

اب ایسے حالات میں ائمہ معصومین علیہم السلام کی یہ خواہش تھی کہ ایک صحیح اور درست اسلامی اور علوی حکومت قائم کریں، تو انہیں کیا کرنا چاہیے تھا؟ سب سے پہلا کام تو یہ تھا کہ لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل کرتے اور جو غلط اور اسلام مخالف نظریات ان کے ذہنوں میں رچ بس چکے ہیں انہیں لوگوں کے دل و دماغ سے باہر نکالتے اور ان کی جگہ قرآن اور توحید کے مطابق صحیح اور درست نظریات سے لوگوں کے ذہنوں کو منوّر کرتے؛ یہ ایک باقاعدہ ثقافتی جنگ تھی۔ ثقافتی جنگ یہ نہیں کہ کسی جگہ بیٹھ کر صرف اسلامی احکام بیان کیے جائیں، جن میں نہ

تو کوئی خاص مقصد ہو اور نہ ہی کوئی انقلابی پہلو نظر آرہا ہو۔ یہ عمل کسی بھی صورت میں مقابلہ یا مبارزہ نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ ثقافتی جنگ یہ ہے کہ لوگوں کے ذہنوں کو پہلے سے موجود غلط نظریات اور عقائد سے پاک و صاف کرتے ہوئے ان کے ذہنوں میں اسلامی تہذیب اور عقائد کو اُجاگر کیا جائے، تاکہ ایک اسلامی اور الٰہی حکومت کی تشکیل کے لیے راستہ ہموار ہو سکے اور اسی طرح طاغوتی اور شیطانی طاقتوں اور حکومتوں کا دروازہ مکمل طور پر بند کیا جا سکے۔

چنانچہ حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام نے اس کام کا آغاز کیا، اس لیے آپؑ کو ''بَاقِرُعِلْمِ الْاَوَّلِیْنَ'' کہتے ہیں؛ یعنی ''علم کی گرہیں کھولنے والا یا علم کی گتھیاں سلجھانے والا۔'' آپؑ لوگوں کے سامنے قرآن مجید کی بہترین اور حقیقی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ تھی جس شخص کو بھی حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام کی سنہری باتوں کا علم ہوتا وہ آپؑ کا گرویدہ ہو جاتا تھا، بشرطیکہ وہ کسی خاص شخص یا مکتب کے دائرے میں خود کو مقید قرار نہ دیئے ہوئے ہو اور یہی بات وقت کے طاغوتی حکمرانوں سے منہ موڑنے اور ان سے پہلو تہی کی بنیادی وجہ بھی تھی۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد باقرعلیہ السلام کے زمانے میں متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بہت سے افراد نے مکتب اہل بیت

اطہارعلیہم السلام اور نظریۂ امامت کی طرف جھکاؤ پیدا کر لیا، جسے آج کے عرف میں "تشیع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تشیع کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی مکتب اہل بیت علیہم السلام کی پیروی تاکہ حقیقی اور اصلی اسلام کی حاکمیت قائم ہو سکے، قرآن مجید کی تعلیمات کا بول بالا ہو اور معاشرے میں قرآنی احکام اور اسلامی معارف رائج اور نافذ ہوں۔ جس شخص کا امام محمد باقرعلیہ السّلام سے رابطہ ہوتا اور وہ آپؑ کی گفتگو سنتا تو اس کے ذہن و دماغ میں ایک تبدیلی اور انقلاب و ہیجان پیدا ہو جاتا، یہی امام محمد باقرعلیہ السّلام کی زندگی کا پہلا اور بنیادی کام تھا جو بہت ہی اہم اور بنیادی نوعیت کا کام تھا اورآپؑ نے اس معاملے پر بہت زیادہ توجہ بھی دی ہے۔

تنظیم سازی کی بھرپور کوششیں

امام محمد باقرعلیہ السّلام کی زندگی کا دوسرا اہم کام "تنظیم سازی" سے عبارت ہے۔ تنظیم سازی سے کیا مراد ہے؟ یعنی ان دینی معارف، ثقافتی تبدیلیوں اور فرہنگی مبارزات سے معاشرے کو روشناس کرنا۔ ایک مرتبہ انسان بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کرکے جو چاہے اور جہاں چاہے کی بنیاد پر ان معارف کو بیان کرنا شروع کر دیتا ہے اور کبھی ہر قدم سوچ سمجھ کر اُٹھاتا ہے، اس کی مثال اُس بیج کی سی ہے جسے کسان زمین میں بوتا ہے۔

اب اگر کسان ناتجربہ کار ہو تو بغیر دیکھے بھالے جہاں چاہے بیج پھینک دے گا اور کچھ عرصے بعد پتہ چلے گا کہ بہت سارے بیج نامناسب زمین اور آب و ہوا کی وجہ سے ضائع ہو چکے ہیں اور کچھ بیج سرسبز و شاداب تو ہوئے ہوں گے لیکن راستے میں بونے کی وجہ سے پاؤں تلے روند دیئے جائیں گے اور کچھ بیج سرسبز ہونے کے بعد مناسب جگہ نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہو جائیں گے، آخر میں بہت کم مقدار میں بیج نتیجہ خیز ثابت ہوسکیں گے۔ لیکن اگر یہی کسان اور باغبان تجربہ کار ہو تو وہ صرف بیج بونے پر اکتفا نہیں کرے گا بلکہ اس کی حفاظت بھی کرے گا؛ اب حفاظت کیسے کرے گا؟ وہ اپنے باغ اور کھیتی کی حفاظت کے لیے چند افراد کو مامور کرے گا۔ بالکل اسی طرح امام محمد باقر علیہ السلام نے مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ و کنار میں اپنے چاہنے والوں اور اسلام کی بلند ترین تعلیمات اور تبلیغات کو صدق دل سے قبول کرنے والوں کے شبہات و اشکالات کا صحیح جواب دینے کی غرض سے اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے پیدا کیے جانے والے ابہامات اور سوالات کے درست جواب دینے کے لیے چند خاص افراد کی تربیت فرمائی اور انہیں آپس میں رابطے میں رہنے اور ایک دوسرے سے پیوست رہنے کی ہدایت فرمائی، تاکہ وہ کسی طرح کے شکوک شبہات اور شیطانی وسوسوں سے متاثر نہ ہونے پائیں۔

خلاصہ یہ کہ آپؑ نے ایسا اہتمام عمل میں لایا کہ بالکل مناسب ترین اور زرخیز ترین زمین مہیا فرمائی، جو ان کی شادابی اور ثمر دہی کی ضمانت فراہم کرنے کے لیے کافی تھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ایک اور کارنامہ یہ تھا کہ آپؑ نے اپنے چند مخصوص شاگردوں اور قریبی ساتھیوں کی خصوصی تربیت کا اہتمام کیا اور انہیں ہمیشہ ایک دوسرے سے مربوط رہنے کا درس دے کر عالم اسلام کے گوشہ و کنار میں ایک برجستہ شخصیت کے طور پر اپنی نیابت اور وکالت کا عظیم منصب سونپ دیا، تاکہ یہ لوگ آپؑ کے پیغام اور دینِ مبین اسلام کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کو عام مسلمانوں تک من و عن پہنچانے کی ذمہ داری بحسن و خوبی نبھا سکیں۔

تنظیم سازی کے اس عمل کا آغاز اگرچہ امام محمد باقر علیہ السلام کے دورِ امامت سے پہلے ہو چکا تھا لیکن آپؑ کے دورِ امامت میں یہ کام حیرت انگیز حد تک بڑھ چکا تھا، البتہ بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے دورِ امامت میں یہ کام اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا لیکن آپؑ کی بات ہی کچھ اور تھی یقیناً آپؑ کا یہ ایک عظیم کارنامہ تھا جو خطرناک بھی تھا۔

لہٰذا آپ دیکھیں کہ روایات میں آپؑ کے بعض

اصحاب کو "اصحاب السِّر" یعنی رازدار ساتھی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسے جناب جابر بن یزید جعفی وغیرہ۔ جابر جعفی آپؑ کے ان خاص اصحاب میں سے ایک تھے، جنہیں اصحاب السِّر ہونے کا اعزاز اور افتخار حاصل ہے۔ اصحاب السِّر کون تھے؟ یہ وہ اصحاب تھے جو دنیائے اسلام کے گوشہ و کنار میں پھیلے ہوئے لوگوں کی ہدایت، راہنمائی اور ان کی دستگیری میں مصروف رہتے تھے۔ یہ لوگ دینِ مبین اسلام اور امامت و شیعیت سے لگاؤ رکھنے والے لوگوں کی راہنمائی پر مامور تھے۔ حکومتی کارندوں کو جب ان کے بارے میں پتہ چلتا تو وہ انہیں سخت سے سخت سزا اور تکلیف دیتے تھے۔

(۳۱۔۰۷۔۱۹۸۷ء)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے انیس سالہ دورِ امامت (۹۵ھ ق سے لے کر ۱۱۴ھ ق تک) کا اگر سطحی مطالعہ کیا جائے تو اس کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ آپؑ کے والد گرامی (حضرت امام زین العابدین علیہ السلام) نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں آپؑ کو اپنا جانشین اور شیعوں کا امام اور پیشوا منتخب فرمایا۔ آپؑ نے اپنے دیگر فرزندوں اور رشتہ داروں کی موجودگی میں اس عظیم منصب کو امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالے کیا اور ساتھ ہی ایک صندوق بھی آپؑ کے سپرد کیا جو روایات کے مطابق، علم و دانش

کا ذخیرہ[1] یا دوسرے لفظوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات اور اسلحے سے بھرا ہوا تھا اور فرمایا: "اے محمدؑ! اس صندوق کو اپنے گھر لے جاؤ" پھر آپؑ نے وہاں موجود افراد کو مخاطب کرکے فرمایا: "یاد رکھو! اس صندوق میں درہم و دینار نام کی کوئی چیز نہیں، بلکہ یہ صندوق علم و دانش سے بھرا ہوا ہے۔"[2]

چنانچہ آپؑ نے اس طریقے سے حاضرین کے سامنے اپنی علمی اور فکری رہبری (یعنی علم و معرفت) اور انقلابی قیادت (یا دوسرے الفاظ میں سلاحِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی میراث کے طور پر متعارف کرایا۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے منصبِ امامت پر فائز ہونے کے بعد اپنے سچے اور امین اصحاب کے ساتھ ملکر ایک بامقصد اور انقلابی قدم اُٹھاتے ہوئے تشیع کی نشر و اشاعت اور تبلیغِ دین کے دائرے کو شیعہ نشین علاقوں (جیسے مدینہ اور کوفہ) سے لے کر پورے عالم اسلام کو گوشہ و کنار تک پھیلایا، خصوصاً وہ علاقے جو ابھی تازہ اسلامی مملکت کے قلمرو میں داخل ہوئے تھے اور بنو اُمیہ کی حکومت اور ان کی نگاہوں سے بھی دور تھے ان علاقوں میں خراسان کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا کیونکہ متعدد

۱۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۲۹

۲۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۲۹

روایات میں خراسان کے لوگوں میں شیعیت کے نفوذ کے تذکرے ملتے ہیں۔[۱]

جو چیز امام محمد باقرؑ اور ان کے باوفا اصحاب کو اس جہد مسلسل پر اُبھارتی اور انہیں ہر سانس کے ساتھ الٰہی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتی تھی، وہ اس معاشرے کے لوگوں کی ذہنی پستی تھی۔ وہ اپنے سامنے ایسے لوگوں کو دیکھ رہے تھے جو غلط تربیت کی وجہ سے نہ صرف خود روز بروز انحطاط اور زوال کا شکار ہوتے جا رہے تھے، بلکہ اپنے ساتھ پورے معاشرے کو بھی تباہی کی طرف دھکیل رہے تھے۔

آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ نہ صرف حکومتی کارندے بلکہ عام لوگ بھی امامؑ کی نجات بخش دعوت پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جیسا کہ امامؑ فرماتے ہیں: ''إِنْ دَعَوْنَاهُمْ لَمْ يَسْتَجِيْبُوا لَنَا''[۲] یعنی اگر ہم انہیں (دین کی طرف) بلائیں تو وہ ہماری بات

۱۔ منجملہ ان روایات میں سے ایک روایت جسے ابو حمزہ ثمالی نے نقل کیا ہے یہ ہے: ''حَتَّى أَقْبَلَ أَبُو جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ حَوْلَهُ أَهْلُ خَرَاسَانَ وَ غَيْرُهُمْ يَسْأَلُوْنَهُ عَنْ مَنَاسِكِ الْحَجِّ'' (بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۵۷)؛ ایک اور روایت میں خراسان کے ایک عالم کی عمر ابن عبد العزیز سے کی جانے والی عبرت آور گفتگو نقل کی گئی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۳۶) (مصنف)

۲۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۸۸

سننے کو تیار نہیں۔

دوسری طرف اس گمراہ کن ماحول میں جہاں ہر کام، یہاں تک کہ فقہ، تفسیر، علم کلام اور علم حدیث کے درس و تدریس بھی بنو اُمیہ کے ظالم و جابر حکمرانوں کی خواہشات کے مطابق دیئے جاتے ہوں اور جس ماحول میں بہتری کی اُمید کی کوئی کرن دکھائی نہ دیتی ہو، ایسے میں اگر تشیع لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے کمرِ ہمت نہ باندھے تو پھر لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ لہٰذا امامؑ فرماتے ہیں: ''وَإِنْ تَرَكْنَاهُمْ لَمْ يَهْتَدُوا بِغَيْرِنَا''[۱] یعنی اگر ہم بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں تو پھر ہمارے علاوہ ان کی ہدایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کا ضمیر فروش علماء کے خلاف ردِّ عمل

امام محمد باقر علیہ السلام نے معاشرے کی اس بے سروسامانی کی حقیقت اور گہرائی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے، فکری اور ثقافتی طور پر اثر انداز ہونے والی اس وقت کی طاقتوں یعنی ضمیر فروش شعراء اور علماء کے خلاف، جو کسی بھی معاشرے کو بگاڑنے اور سدھارنے کے اصل ذمہ دار ہوتے ہیں،

۱۔ بحار الانوار، ج۲۶، ص۲۵۳

اپنے شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور ان کے سروں پر علم کے تازیانے مار کر نہ صرف ان کے مردہ ضمیر جگانے کی کوشش کی، بلکہ ان کے سوئے ہوئے دل اور بے خبر ذہنوں کو بھی جھنجوڑتے ہوئے انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کے لیے آمادہ کرنے کی جدّوجہد کی۔

ایک مرتبہ آپؑ نے معترضانہ لہجے میں کثیر نامی شاعر سے پوچھا:کیا تم نے عبد الملک کی تعریف کی ہے؟! تو اس نے عاجزانہ انداز یا سادہ لوحی سے اپنے اس گناہ کے بارے میں اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی اور یوں جواب دیا: میں نے اسے ہادی اور پیشوا نہیں کہا ہے، بلکہ میں نے اپنے اشعار میں اسے "شیر، سورج، دریا، اژدھا اور پہاڑ" جیسے الفاظ میں خطاب کیا ہے۔

جبکہ "شیر" ایک قسم کا کتا ہے تو"سورج" ایک جامد جسم ہے، "دریا" ایک بےروح پیکر ہے اور "اژدھا" ایک بدبودار جانور ہے، جبکہ"پہاڑ" ایک سخت پتھر ہے۔

امامؑ کثیر کی اس توجیہ اور بے تکی وضاحت سن کر معنی خیز انداز میں مسکرائے اور اسی دوران کمیت نامی (انقلابی) شاعر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنے "ہاشمیات"[1] نامی قصیدوں

۱۔ وہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

مَنْ لِقَلْبٍ مُتَيَّمٍ مُسْتَهَامٍ غَيْرُمَا صَبْوَةٍ وَ لَا أَحْلَامٍ

میں سے ایک منقبت پڑھنی شروع کرتا ہے؛ یوں وہ وہاں پر موجود لوگوں اور رہتی دنیا تک کے لیے اس طرزِ فکر کے اختلاف کو بطور یادگار ہمیشہ کے لیے امر کردیتا ہے۔[۱]

ابن عباس کا شاگرد عِکرمہ جو اپنی عظیم حیثیت اور شخصیت کی بنا پر لوگوں کے درمیان قابلِ بھروسہ اور معتبر سمجھا جاتا تھا، ایک دفعہ امام محمد باقر علیہ السلام سے ملاقات کی غرض سے حاضر ہوتا ہے اور آپؑ کی باوقار علمی، روحانی اور معنوی شخصیت دیکھ کر یوں متاثر ہو جاتا ہے کہ بےاختیار خود کو امامؑ کے قدموں میں گرادیتا ہے اور بڑے تعجب کے ساتھ اپنے آپ سے کہتا ہے: میں ابن عباس جیسے نامور اور عظیم لوگوں کی محافل میں بیٹھ چکا ہوں لیکن کبھی بھی مجھ پر ایسی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ امامؑ نے(عِکرمہ کے) جواب میں ارشاد فرمایا:''وَيْلَكَ يَا عُبَيْدَ أَهْلِ الشَّامِ إِنَّكَ بَيْنَ يَدَيْ بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ''[۲]

اے شامیوں کے حقیر غلام! تیرے حال پر افسوس! آج تم اس گھرانے میں آئے ہو جسے اللہ تعالیٰ نے بلندی

اور اس پُر مغز اور معرفت سے سرشار شعر پر ختم ہوتا ہے:

سَاسَةٌ لَا كَمَنْ يَرَى رَعِيَّةَ النَّاسِ سَوَاءٌ وَرَعِيَّةُ الْأَنْعَامِ (مؤلف)

۱۔ مناقب، ابن شہر آشوب، ج۴، ص۲۰۷

۲۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۵۸

عطا کی ہے اور یہ وہ گھرانہ ہے جو یادِ الٰہی کا مرکز ہے۔

امام محمد باقرعلیہ السلام ہر مناسب موقع پر شیعیت کی تلخ تاریخ اور واقعات کو دھراتے ہوئے، وقت کے حکمرانوں کی طرف سے اپنے اور اپنے اصحاب پر کی جانے والی سختیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے، لوگوں کے احساسات اور جذبات کو جگاتے اور ان کے نیم مردہ جسموں اور ان کی رگوں میں جمے ہوئے خون کو جوش دلاتے تھے اور ان کے مردہ دلوں میں ہیجان پیدا کرتے تھے؛ یعنی دوسرے لفظوں میں انہیں ایک انقلابی تحریک اور سخت ترین مقصد کے حصول کے لیے آمادہ ہونے کی ترغیب دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

ایک شخص نے آپؑ سے پوچھا: اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپؑ کی رات کیسے گزری؟ آپؑ نے فرمایا: "کیا اب بھی وہ وقت نہیں آپہنچا ہے کہ تم سمجھ سکو کہ ہم کون لوگ ہیں اور ہماری راتیں کیسے گزرتی ہیں؟! ہماری داستان بھی بنی اسرائیل کی سی ہے جس طرح فرعونی معاشرے میں بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کر دیا جاتا تھا اور ان کی عورتوں کو اسیر کیا جاتا تھا! یاد رکھو کہ یہ (بنو اُمیہ) بھی ہمارے بیٹوں کو قتل کر دیتے ہیں اور ہماری عورتوں کو زندہ ہم سے چھین لیتے ہیں۔" اس غم انگیز اور جذباتی گفتگو کے بعد آپؑ اپنے

اصل مطلب (یعنی حکومتِ اہل بیت علیہم السلام اور شیعیت کی دعوت) کی طرف آتے ہیں اور بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عربوں کا یہ گمان تھا کہ وہ عجمیوں سے افضل و برتر ہیں اور وہ اس کی یہ دلیل دیتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی ہیں اور عجم بھی ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ قریش کا خیال تھا کہ وہ عرب کے دیگر قبائل سے بہتر ہیں کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے قبیلوں کے لوگ ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے۔ پس اگر ان کا یہ دعویٰ سچا ہے تو ہم اہل بیتِ اطہارؑ تو قریش کے دیگر قبائل سے افضل ہوئے کیونکہ ہم تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان سے اور ان کی اولاد ہیں اور کوئی بھی شخص اس نسبت میں ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

وہ شخص امامؑ کی گفتگو سن کر جذباتی ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اللہ کی قسم! ہم آپؑ کے خاندان سے محبت کرتے ہیں۔ امامؑ نے جب اس شخص کو فکری، قلبی اور عملی لحاظ سے مکمل طور پر (ولایت اور امامت کے) نزدیک ہوتے مشاہدہ کیا تو اس کی مزید آگاہی کے لیے نصیحت کے طور پر یوں ارشاد فرمایا:

”اگر ایسا ہے تو پھر اپنے آپ کو طرح طرح کی بلاؤں کے لیے آمادہ اور تیار رکھو، خدا کی قسم بلائیں ہمارے شیعوں کے اس سے بھی زیادہ نزدیک ہیں جتنا پہاڑ کا دامن سیلاب کے نزدیک ہوتا ہے۔ بلائیں سب سے پہلے ہمیں اپنی لپیٹ میں لیتی ہیں اور پھر تمہارا رخ کرتی ہیں؛ جس طرح (قیامت کے دن) راحت اور سکون سب سے پہلے ہمیں نصیب ہوگا اور پھر تمہیں راحت اور سکون (ہمارے توسّط سے) ملے گا۔“

امام محمد باقرؑ کے اپنے شیعوں کے ساتھ روابط

حضرت امام محمد باقرؑ کے اپنے چاہنے والے شیعوں کے ساتھ انتہائی محدود پیمانے پر روابط تھے۔ اس حوالے سے ہمیں امام محمد باقرؑ کا اپنے شیعوں اور پیروکاروں سے تعلق، ایسا ہی دکھائی دیتا ہے جیسے ایک زندہ و جاوید پیکر اور مفکر دماغ کا بدن کے دیگر اعضاء سے تعلق ہوتا ہے یا دھڑکتے دل کا رابطہ بدن اور اس کے اعضاء سے ہوتا ہے۔

ایک محدود اندازے اور مطمئن دائرے میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کے اپنے چاہنے والے شیعوں سے جو روابط تھے، وہ مخصوص

صفات کے حامل تھے۔ اس سلسلے میں جب ہم آپؑ کی شخصیت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یوں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جیسے ایک زندہ جسم میں مفکر دماغ کا جسم کے دیگر اعضاء و جوارح سے تعلق ہوتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے اپنے شیعوں اور پیروکاروں کے ساتھ روابط کے حوالے سے جو معلومات ہماری دسترس میں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ ایک طرف اپنے چاہنے والوں کی فکری اور ذہنی تربیت میں مشغول نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف اپنے چاہنے والوں کے ساتھ اپنے تعلقات اور روابط کو بڑی اہمیت دیتے اور منظّم کرتے نظر آتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ فُضَیل بن یسار[۱] جو آپؑ کے قریبی اور رازدار صحابی تھے، کو امامؑ کی معیّت میں حج کرنے کا موقع ملا۔ امامؑ نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے حاجیوں کو دیکھا تو فُضَیل بن یسار سے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ (مشرکین) اسی طرح خانہ کعبہ کے گرد چکر کاٹا کرتے تھے! جبکہ حکم یہ ہے کہ ہماری طرف چلے آئیں اور ہمارے ساتھ اپنی دوستی اور محبت کا اظہار کریں

۱۔ امامؑ کی زبانِ مبارک سے جناب فضیل بن یسار کی تعریف جاننے کے لیے قاموس الرجال، ج۷، ص۹۷، صفحات ۳۴۳۔۳۴۵ کی طرف رجوع کریں۔ (مؤلف)

اور اپنی مدد و نُصرت کا ہمیں یقین دلائیں؛ جیسا کہ قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی نقل کرتا ہے کہ: اے ہمارے پالنے والے! لوگوں کے دلوں کو ان (اہل بیت اطہارؑ) کی طرف موڑ دے۔

جابر جُعفی کو اپنی پہلی ہی ملاقات میں یوں نصیحت فرماتے ہیں کہ وہ کسی پہ یہ ظاہر نہ کرے کہ اس کا تعلق کوفہ سے ہے، بلکہ یوں اظہار کرے کہ وہ بھی مدینہ ہی کا باسی ہے۔ آپؑ اپنی اس نصیحت کے ذریعے اس نوخیز نوجوان اور نئے شاگرد کو جس میں پہلے ہی سے اسرار امامت اور تشیع کو اُٹھانے کی بڑی صلاحیت موجود تھی، رازداری برتنے کا سبق سکھاتے ہیں اور بعد میں جاکر آپؑ کے یہی شاگرد، امامؑ کے رازدار کے عنوان سے مشہور ہوتے ہیں۔

حکمرانوں کے ساتھ ان کے تعلقات اس نہج پر پہنچ چکے تھے کہ نُعمان بن بشیر کہتا ہے کہ ایک دفعہ میں جابر کے ساتھ حج کے سفر میں تھا۔ مدینہ پہنچ کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مدینہ میں چند دن قیام کرنے کے بعد جب جابر امامؑ سے آخری ملاقات کرنے چلا گیا تو واپسی پر وہ بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں سے ہم کوفہ روانہ ہوئے، دورانِ سفر راستے میں ایک منزل پر کسی شخص سے ملاقات ہوئی۔

(نعمان اُس شخص کی خصوصیات اور جابر اور اُس کے درمیان ہونے والی گفتگو کو اختصار کے ساتھ یوں بیان کرتا ہے کہ) اُس شخص نے ایک خط نکالا اور جابر کو دیا۔ جابر نے اس کے ہاتھ سے خط لیا اور بوسہ دینے کے بعد اپنی آنکھوں سے لگایا اور پھر خط کھول کر پڑھنا شروع کر دیا۔ میں مسلسل اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا جابر جوں جوں خط پڑھتا جا رہا تھا اس کے چہرے سے پریشانی کے آثار نمایاں ہوتے جارہے تھے۔ اس نے پورا خط پڑھنے کے بعد اسے تہہ کر دیا۔ ہم نے دوبارہ کوفہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھا، لیکن اس کے بعد کوفہ پہنچنے تک میں نے جابر کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ کوفہ پہنچنے کے اگلے دن میں جابر کے احترام کے پیش نظر اس سے ملنے اس کے گھر کی طرف چلا، جب اس کے گھر کے نزدیک پہنچا تو اچانک ایک حیرت انگیز منظر کا مجھے سامنا کرنا پڑا۔ میں نے دیکھا کہ جابر چھوٹے بچوں کی طرح ایک لکڑی پر سوار ہے اور اس کے گلے میں بھیڑ (کے پاؤں) کی سوکھی ہڈی لٹکی ہوئی ہے اور وہ بےربط قسم کے اشعار پڑھتے ہوئے پاگلوں کی طرح گھر سے باہر نکل رہا ہے۔ اس نے مجھے دیکھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ میں نے بھی اسے کچھ نہیں کہا، لیکن اس کی یہ حالت دیکھ کر مجھے بےاختیار رونا آگیا۔ اتنے میں (محلّے کے) بچے ہمارے ارد گرد جمع ہونا شروع

ہو گئے۔ جابر آگے چلتا گیا اور "رحبہ"[۱] کے مقام پر پہنچ گیا وہ جہاں بھی جاتا، بچے بھی اس کے پیچھے چلے جاتے۔ لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ جابر پاگل ہو گیا ہے۔ اس واقعے کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ خلیفہ (ہشام بن عبد الملک) کا ایک خط حاکمِ کوفہ کو ملا، جس میں لکھا تھا کہ تحقیق کرکے دیکھو کہ یہ جابر بن یزید جُعفی نامی شخص کون ہے؟ اسے گرفتار کر لو اور فوراً اس کی گردن اُڑا کر سر میرے پاس بھیج دو۔ حاکم (کوفہ) نے اپنے درباریوں اور کارندوں کے ذریعے جابر کا پتہ چلایا تو اس کے کارندوں نے رپورٹ دی: اے امیر آپ کا اقبال بلند ہو! وہ ایک عالم اور علمِ حدیث کا ماہر شخص تھا، اس سال حج کرنے گیا تھا مگر واپسی پر پاگل ہو گیا ہے اور اس وقت بھی وہ ایک لکڑی پر سوار ہو کر "رحبہ" کے مقام پر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہے۔ نُعمان کہتا ہے: حاکمِ کوفہ اطمینان اور تسلّی کی خاطر بذاتِ خود جابر کو دیکھنے کے لیے مسجد کوفہ کی طرف چل پڑا اور وہاں جابر کو اپنی لکڑی پر سوار بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول دیکھ کر کہنے لگا: خدا کا شکر ہے اس نے مجھے جابر کے قتل سے بچا لیا۔[۲]

حضرت محمد باقر علیہ السلام کے اپنے چاہنے والے قریبی

۱۔ مسجد کوفہ کا داخلی دروازہ

۲۔ قاموس الرجال، ج۲، ص۳۲۹۔۳۳۰؛ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۸۲۔۲۸۳ (مؤلف)

ساتھیوں اور شیعوں کے ساتھ منظّم روابط کی یہ ایک مثال ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ وقت کے حکمران کس قدر امامؑ کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ روابط پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ ظاہر سی بات ہے حکمرانوں کو ہمیشہ اپنی کرسی اور اقتدار کو مستحکم کرنے کی سب سے زیادہ فکر ہوتی ہے۔ اس لیے وہ امامؑ کے اپنے قریبی ساتھیوں سے روابط اور ان کی سرگرمیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا وہ کم و بیش ایسے معاملات کی کھوج میں رہتے تھے اور فوراً انہیں سختی کے ساتھ دبا دیتے تھے۔[1] یہی وجہ ہے کہ آہستہ آہستہ امام محمد باقرعلیہ السلام اور آپؑ کے شیعوں کے دلوں میں وقت کے حکمرانوں کے خلاف قیام کے آثار نمایاں ہوتے رہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ میں ایک نئے باب کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اگرچہ اسلامی تاریخ، حدیث اور دیگر موضوعات پر مشتمل کتابوں میں امام محمد باقرعلیہ السلام کی طرف سے وقت کے حکمرانوں کے خلاف کھلے عام قیام کے کوئی شواہد نہیں ملتے۔ البتہ یہ بھی ان عوامل میں سے ایک ہے

۱۔ اس بات کی تائید جابر کے اس واقعے کے علاوہ دیگر متعدد واقعات، جیسے عبد اللہ بن معاویہ جعفری کے حاکمِ مدینہ کی طرف سے امامؑ کو دھمکی آمیز پیغام پہنچانے سے بھی ہوتی ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۴۶) (مؤلف)

کہ وقت کے ظالم اور جابر حکمرانوں کی طرف سے بیجا سختیوں کی وجہ سے امام محمد باقرعلیہ السلام نے اپنے شیعوں کو تقیہ میں زندگی گزارنے کی ہدایت کی تھی؛ لہٰذا چند گنے چنے اصحاب کے علاوہ، عام لوگوں کو امامؑ کی ذاتی مصروفیات اور سیاسی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن بنو اُمیہ کے طاقتور اور زیرک بادشاہ ہشام بن عبد الملک کے بارے میں تمام مورّخین کا اتفاق ہے کہ وہ بنو اُمیہ کے خلفاء میں سب سے زیادہ با اختیار اور زیرک آدمی تھا، اب اگر وہ امام محمد باقرعلیہ السلام یا کسی اور شخص کے ساتھ سختی کے ساتھ پیش آتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے جبھی اپنے کردار سے مطمئن نظر نہیں آتا اور ان کے وجود کو اپنے لیے ناقابلِ برداشت قرار دیتا ہے۔

لہٰذا اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر امام محمد باقرعلیہ السلام فکری، سیاسی اور تنظیمی اُمور سے ہٹ کر صرف علمی مسائل پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے، تو وقت کے ظالم و جابر حکمران بھی آپؑ کے خلاف تشدّد آمیز پالیسی اختیار کرکے اپنے لیے مشکلات پیدا کرنے سے کتراتے؛ کیونکہ اس صورت میں اولاً تو ان کا یہ عمل امام محمد باقرعلیہ السلام کو اپنے سامنے جارحانہ رویہ اختیار کرنے پر اُکسانے کے مترادف قرار پاتا، جیسا کہ کچھ ہی عرصہ بعد اس قسم کے

تجربات کا ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں منجملہ ان میں سے ایک حسین بن علی شہید فخ[۱] کا واقعہ ہے۔

ثانیاً: اس تند اور سخت رویّے اور حکمتِ علمی کی وجہ سے امام محمد باقر علیہ السلام کے شیعوں کو (جن کی تعداد اتنی کم بھی نہ تھی) ناراض کرکے اپنے خلاف مسلح قیام پر مجبور کر دیتا۔ مختصر یہ کہ حکمرانِ وقت کی طرف سے امام محمد باقر علیہ السلام اور آپؑ کے چاہنے والے افراد کے خلاف سخت ترین رویہ اور وہ بھی آپؑ کی زندگی کے آخری ایام میں، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ خود حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی وقت کے طاغوتی بادشاہوں کو للکارا اور ان کے مظالم کی نشاندہی کرکے ان کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کرنے کی پالیسی مسلسل جاری رکھی تھی۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی شام طلبی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے آخری ایام کا سب سے اہم واقعہ امامؑ کی بنو اُمیہ کے دار الخلافہ یعنی شام طلبی ہے۔ ہشام بن عبد الملک نے اپنی حکومت کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام کا موقف جاننے کے لیے والی

۱۔ حسین ابن علی(شہیدِ فخ) علی ابن حسین ابن حسن ابن امام حسن مجتبیٰؑ کے بیٹے تھے اور ان کی والدہ عبد اللہ ابن حسن کی بیٹی زینب ہیں۔ انہوں نے منصور کے پوتے موسیٰ الہادی کے دور میں خروج کیا تھا اور ''فخ''، مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ایک چشمے کا نام ہے۔

مدینہ ابراہیم بن عبد الملک کو حکم دیا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کو (اور بعض روایات کے مطابق آپؑ کے جوان بیٹے امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی جو آپؑ کے واحد معاون اور مددگار تھے) گرفتار کرکے شام بھیج دیا جائے۔

امامؑ کو گرفتار کرکے شام میں خلیفہ کے دربار میں پیش کیا گیا، ہشام پہلے ہی اپنے کارندوں اور درباری حاشیہ نشینوں کو خصوصی ہدایات دے چکا تھا کہ جب آپؑ دربار میں داخل ہوں توکس طرح آپؑ پر بےبنیاد الزامات لگانے اور آپؑ کی تذلیل کرنی ہے۔ پروگرام یہ طے پایا تھا کہ سب سے پہلے خود ہشام اور اس کے بعد اس کے درباریوں (جو سب اعلیٰ حکومتی عہدے دار تھے) کی طرف سے الزامات اور تہمتوں کی بوچھاڑ کی جائے گی۔ ہشام بن عبد الملک اپنے اس گھناؤنے عمل سے دو قسم کے مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا:

پہلا یہ کہ وہ اس طرح گالم گلوچ اور بُرا بھلا کہہ کر امامؑ کو نفسیاتی طور پر مفلوج کرنا چاہتا تھا تاکہ اپنی دیرینہ خواہشات کی تکمیل کے لیے زمینہ فراہم کر سکے۔

دوسرا یہ کہ وہ اپنی پارٹی کے اعلیٰ عہدے داروں کی موجودگی میں اپنی مخالف پارٹی کے قائد کو شرمندہ کرنا چاہتا تھا تاکہ (وہ اپنے کارندوں اور بے ضمیر علماء، خطباء اور جاسوسوں کے ذریعے اس خبر کو پھیلا کر) اپنی حکومت

کے خلاف سازشیں کرنے والوں کو خبردار اور امامؑ کے حامیوں کو کمزور کر سکے۔

امام محمد باقر علیہ السلام دربارِ شام میں تشریف لاتے ہیں۔ دربار کی رسم و رواج کے برعکس، جہاں ہر آنے والا شخص پہلے خلیفہ کو "امیر المومنین" کہہ کر سلام کرتا تھا، آپؑ دربار میں موجود حاضرین کی طرف رُخ کرتے ہیں اور اپنے ہاتھ کے اشارے سے سب کو مخاطب کرکے "السلام علیکم" کہتے ہیں اور اس کے بعد خلیفہ کی اجازت کا انتظار کیے بغیر اپنی نشست پر بیٹھ جاتے ہیں۔

امامؑ کے اس جرأت مندانہ اقدام سے حسد اور بُغض و کینہ کے مارے ہشام کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور وہ زبان درازی کرتے ہوئے کہتا ہے: تم اولادِ علیؑ کا ہمیشہ سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ تم ملتِ اسلامیہ کے درمیان پھوٹ ڈالتے اور انہیں اپنی طرف دعوت دیتے ہو اور اپنی کم عقلی و جہالت کی بنا پر اپنے آپ کو لوگوں کا امام اور پیشوا قرار دیتے ہو۔ اس قسم کی فضولیات بکنے کے بعد وہ خاموش ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اس کے کارندوں اور وظیفہ خوروں کی باری آتی ہے وہ بھی اپنے اپنے انداز میں امامؑ پر بے بنیاد تہمتوں اور الزامات کی بارش کرتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس ساری صورت حال کا انتہائی اطمینان اور خاموشی سے جائزہ لیتے ہیں اور جب تمام لوگ (اپنے دل کی بھڑاس نکال کر) خاموش ہو جاتے ہیں تو امامؑ اپنی نشست سے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دربار میں موجود لوگوں کی طرف اپنا رُخ کرکے اللہ کی حمد و ثنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے بعد چند مختصر جملوں میں ان کے مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑتے اور ان کے پراکندہ ذہنوں کو جلا دیتے ہیں اور دوسروں کا آلۂ کار بن کر اپنے اختیار کو کھو دینے والے ان لوگوں کی سخت الفاظ میں مذمّت کرتے اور ان کے سروں پر سرزنش کے تازیانے برساتے ہیں اور پھر اپنے اور اپنے اعلیٰ ترین خاندان کے فخر و مباہات کو اُجاگر کرتے ہیں اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی سیرتِ طیّبہ کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے ان کے نیک اور بہترین انجام و عاقبت کو پوری دنیا کی تاریخی حقیقت پر محیط سنتِ الٰہیہ ٹھہراتے ہیں اور یوں ان کی نفسیات کو متزلزل کر دیتے ہیں چنانچہ آپؑ ارشاد فرماتے ہیں:

''أَيُّهَا النَّاسُ أَيْنَ تَذْهَبُونَ وَأَيْنَ يُرَادُ بِكُمْ؟ بِنَا هَدَى اللَّهُ أَوَّلَكُمْ وَ بِنَا يَخْتِمُ آخِرَكُمْ فَإِنْ يَكُنْ لَكُمْ مُلْكٌ مُعَجَّلٌ فَإِنَّ لَنَا مُلْكاً مُؤَجَّلاً وَ لَيْسَ بَعْدَ مُلْكِنَا مُلْكٌ لِأَنَّا أَهْلُ الْعَاقِبَةِ يَقُولُ اللَّهُ

عَزَّ وَجَلَّ: وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ"[۱]

اے لوگو! تم کہاں جارہے ہو؟! اور تمہارے بارے میں کیا سوچا جارہا ہے؟ ہم ہی ہیں جن کے وسیلے سے اللہ نے تمہارے اسلاف کی ہدایت کی اور ہم ہی تمہارے اعمال پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے والے ہیں۔ اگر آج تمہارے ہاتھ میں ایک عارضی حکومت ہے تو کل ہمارے ہاتھ میں ایک دائمی حکومت ہوگی اور ہمارے بعد کسی اور کو یہ حکومت نہیں ملے گی، ہم ہی اہل آخرت ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: آخرت تو بس متقین کے لیے ہے۔[۲]

امام محمد باقر علیہ السلام کے اس مختصر لیکن پُرمغز بیان میں (جو ظلم کے خلاف احتجاج، حکمرانوں کی مذمّت، خوشخبری، دھمکی، اثبات اور ردّ پر مشتمل ہے) اتنی تاثیر اور گہرائی پائی جاتی ہے کہ اگر یہ بات عام ہو جائے اور تمام لوگوں کے کانوں تک پہنچ جائے تو ممکن ہے کہ ہر سننے والا شخص اس جملے کے کہنے والے کی حقانیت اور

۱۔ "أَيُّهَا النَّاسُ"! اے لوگو! آپؑ کا یہ خطاب ان اعلیٰ حکومتی اہل کاروں سے ہے جو دربار میں موجود اور خلیفہ کے دفاع پر کمربستہ تھے، یعنی یہ حقیقت میں ان ظالم و جابر حکمرانوں کے اس جاہ و جلال کی نفی تھی جو انہیں عام لوگوں سے الگ کرتی تھی، یعنی آپؑ نے ایک سادہ خطاب کے ذریعے اپنا اصولی موقف بیان کر دیا۔ (مؤلف)

۲۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۶۴

سچائی کا اعتراف کرے۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی اسارت اور رہائی

اب امامؑ کی اس فصیح و بلیغ گفتگو کا جواب دینے کے لیے ایسے قابل، باصلاحیت اور توانا خطیب کی ضرورت تھی جو لوگوں کے دلوں کو گرما سکے لیکن اس دربار میں ایسا کوئی شخص موجود نہ تھا، ایسی صورت حال میں ان کے پاس انتقام، اہانت اور قید و بند کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

پس ہشام حکم دیتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کو قید کر دیا جائے، دراصل وہ اپنے اس حکم کے ذریعے عملی طور پر اپنی نفسیاتی کمزوری اور شکست کا اعتراف کرتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانے میں بھی (اپنی علمی صلاحیتوں کے جوہر دکھاتے ہوئے) اپنے روشن اور دل کو چھو لینے والے بیانات اور حقائق کے ذریعے تمام کے تمام قیدیوں کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لیتے ہیں کہ کوئی ایک بھی ایسا قیدی باقی نہیں رہتا جو دل و جان سے آپؑ کی محبت کا اسیر نہ ہو گیا ہو۔

قید خانے کی نگرانی پر مامور اہلکار اس صورت حال سے متعلق اپنی رپورٹ ہشام کو پیش کرتے ہیں۔ یہ بات ایک ایسی حکومت کے لیے جس نے چند دہائیوں سے سرزمینِ

شام کو علوی نظریات اور تعلیمات سے بچا کر رکھا تھا، کسی بھی صورت میں قابلِ برداشت نہ تھی۔ لہٰذا ہشام حکم صادر کرتا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو فوراً قید خانے سے باہر نکالا جائے کیونکہ ان کے لیے مدینہ سے زیادہ کوئی مناسب جگہ نہیں وہ وہیں پیدا ہوئے اور وہاں ہی پلے بڑھے ہیں۔

نیز ساتھ ہی یہ حکم بھی صادرکرتا ہے کہ وہاں پہلے سے بھی سخت اور کڑی نگاہ رکھی جائے اور ضرورت پڑنے پر اپنے آخری حربے کا استعمال کرتے ہوئے خاموشی سے اپنے اس حریف کو اس کے اپنے گھر اور اپنے ہی بستر پر انجام کو پہنچایا جائے تاکہ خود ہشام پر "امامؑ کے قتل" کا الزام بھی نہ لگ سکے۔

پس ہشام کے حکم سے امام محمد باقر علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں کو تیز ترین سواریوں پر (جو بغیر کسی توقف کے مدینہ پہنچا سکیں) سوار کرکے مدینہ کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے اور دمشق سے روانگی سے پہلے ہی راستے بھر کی بستیوں میں اعلان کرا دیا جاتا ہے کہ حکومتِ وقت کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا قافلہ ہے لہٰذا کسی کو بھی یہ اجازت نہیں ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی لین دین کرے یا کھانے پینے کی کوئی چیز فروخت کرے۔[۱] یہ

۱۔ بعض روایات کے مطابق شام اور مدینہ کے درمیان تمام شہروں اور

لوگ مسلسل تین دن اور تین راتیں اسی طرح سفر طے

بستیوں میں اعلان کرایا گیا تھا کہ (نعوذ باللہ) حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دین اسلام چھوڑ کر عیسائیت کو اختیار کر لیا ہے۔ (بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۰۶)

اسی طرح کا واقعہ انیسویں صدی کی درمیانی دہائیوں کے دوران ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں دیکھا جا سکتا ہے: مولانا (سید احمد) جن کا شمار ہندوستان کے معتبر اور مذہبی علماء میں ہوتا تھا (جو برصغیر کی آزادی کی تحریک میں پیش پیش تھے) تحریکِ مزاحمت کے مخالف بعض مولویوں نے انہیں ''وہابی'' کے طور پر متعارف کروایا۔ اس الزام کے لیے انہیں کسی جواز اور بہانے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس محبوب، مشہور اور مجاہد شخصیت کو بے خبر اور جاہل عوام کی نظروں میں بےاعتماد اور بے اعتبار قرار دیا جائے اور اس مقصد کے لیے وہابیت کا الزام ایک بہترین ذریعہ تھا۔ کیونکہ ان دنوں حجاز اور اس کے ملحقہ علاقوں میں وہابیت نے جس بربریت اور اعتقادی مسائل میں شدت پسندی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ اس دوران اس فرقے نے استعمار کے بطن سے تازہ جنم لیا تھا۔ جس کی وجہ سے عالمِ اسلام میں وہابیوں کے بارے میں بُغض اور کینہ پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا وہابیت ایک ایسا الزام تھا جو محبوب ترین اشخاص کو بھی عام اور کم فکر لوگوں کی نظروں سے گرانے کے لیے کافی تھا کیونکہ عام اور سادہ لوح افراد نہ تو وہابیت کے بارے میں کچھ جانتے تھے اور نہ ہی ان میں جاننے کی صلاحیت تھی، انہیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہابیت کیا ہے؟ اور کہاں سے آئی ہے؟ اور اس کا مقصد کیا ہے؟ وہ کیا کہتے ہیں؟ لوگوں کو کہاں اس بات کا پتہ تھا کہ یہ پاکباز اور دور اندیش علماء جنہوں نے وقت کے استعمار یعنی برطانیہ کے خلاف برسر پیکار ہو کر اپنی زندگی بسر کی ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ وہابی (یعنی انگریزوں کے آلہ کار) ہوں؟ انہیں تو بس اتنا معلوم تھا کہ وہابی ایک غلط اور گمراہ فرقہ ہے اور جب وہ سنتے تھے کہ یہ مجاہد علماء وہابی ہیں تو ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ (مزید معلومات کے لیے دیکھئے: کتاب ''ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کا کردار'' ۔ (مطبوعہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔ کراچی)

کرتے ہیں اور بالآخر ان کا کھانے اور پینے کا ذخیرہ ختم ہو جاتا ہے۔

اب یہ قافلہ مدیَن شہر پہنچ گیا ہے لیکن شہر کے لوگ حاکم کے ڈر سے اپنے گھروں کے دروازے بند کر دیتے ہیں اور ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کرنے اور کھانے پینے کی اشیاء فروخت کرنے سے گریزاں ہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب آپؑ سے اپنی بھوک اور پیاس کی شکایت کرتے ہیں۔ اس وقت امام محمد باقر علیہ السلام شہر کے نزدیک ایک بلند پہاڑی ٹیلے پر جاکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور واشگاف آواز کے ساتھ فریاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اے شہر کے ظالم اور ستم پیشہ لوگو! میں خدا کا وہ ذخیرہ ہوں کہ جس کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے: تمہارے لیے ذخیرۂ خدا بہتر ہے اگر تم لوگ واقعی مومن ہو۔"[۱]

میں جب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو شام طلب کرنے اور ان پر عیسائیت کے الزام کو آج سے ایک سو کچھ سال پہلے ہندوستان میں پیش آنے والے اس واقعہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے اپنے ارد گرد کے حالات اور واقعات کا تجزیہ کرتا ہوں تو مجھے بڑی حیرت اور تعجب کے ساتھ عربی زبان کا یہ ادبی جملہ یاد آتا ہے کہ : "اَلنَّاسُ كَالنَّاسِ وَالْأَيَامُ وَاحِدَةٌ" یعنی ہر زمانے کے لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں اور زمانے بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔ (مؤلف)

۱۔" بَقِيَّةُ اللهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ" (سورہ ہود، آیت۸۶)

امامؑ کا ہوشیاری کے ساتھ بروقت یہ اقدام، حکمرانوں کی سازش کو بےنقاب اور اسے نقش بر آب کردیتا ہے۔ اتنے میں شہر کا ایک ہوشیار اور بہادر (بوڑھا) شخص کھڑا ہوتا ہے اور شہر کے فریب خوردہ اور بےخبر لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے اور انہیں اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ یاد رکھو! یہ اسی آواز کی صدائے بازگشت ہے جو خدا کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی گمراہ قوم کو مخاطب کرکے لگائی تھی۔ وہ (بوڑھا شخص) اپنی اس پیام بھری آواز کے ذریعے لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ اے لوگو! یہ آواز جو تم سن رہے ہو یہ وہی آواز ہے جو کوئی سو سال پہلے تمہارے اسلاف نے بھی سنی تھی آج تم اپنے ان اسلاف پر لعنت ملامت کرتے ہو کہ انہوں نے اس آواز کو نظر انداز کر دیا تھا۔ (یاد رکھو!) آج تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ہے آج وہی آواز فضا میں گونج رہی ہے، آواز دینے والا بھی وہی ہے اور اس آواز کو سننے والے بھی وہی ہیں۔ موقع کی مناسبت سے اس شخص کی یہ باتیں لوگوں کے دلوں پر اثر کرتی ہیں، لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیتے ہیں اور تمام تر حکومتی سازشوں کے باوجود وہ حکومتِ وقت کے ایک دشمن (یعنی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام) کو اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں۔[1]

۱۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۲۶۴، نقل از اصول کافی

اس تاریخی روایت کا آخری حصّہ ایک طرف کئی جہتوں سے اس وقت کی پُر آشوب سیاسی فضا اور گھٹن کے ماحول کی نشاندہی کرتا ہے تو دوسری طرف بنو اُمیہ کی حکومت کے خلاف حضرت امام محمد باقرؑ کی سیرت اور کردار کو بھی واضح کرتا ہے۔

جب ہشام کو مدیَن شہر میں پیش آنے والے اس واقعے کی خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ سب سے پہلے اس گستاخ شخص کو اس کے کیے کی سزا دی جائے کہ اسے یہ جرأت کیسے ہوئی کہ وقت کے حکمران کی مرضی کے خلاف بات کرے اور لوگوں کو اتنی بڑی غفلت سے خبردار کر سکے، اسے اس کی اس خیانت کی سزا ملنی چاہیے لہٰذا خلیفہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔

امام محمد باقرؑ کا مسلح قیام سے گریز

اس کے باوجود حضرت امام محمد باقرؑ لوگوں کے سروں پر مسلّط حاکمِ وقت کے خلاف مسلح جدّوجہد اور قیام سے گریز کرتے ہیں۔ آپؑ نہ فقط تلوار ہاتھ میں نہیں لیتے بلکہ اس طرح کی جلد بازی میں اقدامات کرنے والوں کو بھی اپنی تلواروں کو نیاموں میں رکھنے اور حالات کی نزاکتوں کا بھرپور اور دل کی آنکھوں سے جائزہ لینے پر زور دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی زبان کی

شمشیر کو بھی اس حد تک استعمال کرتے ہیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا ہو۔ اپنے بھائی جناب زید کو بھی جو جذبات اور احساسات کی رُو میں بہہ کر صبر و شکیبائی کھو چکے ہیں، بڑے نصیحت آمیز لہجے میں سمجھاتے ہیں اور مسلح قیام اور جدّوجہد سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش فرماتے ہیں۔

آپؑ اپنے معمولی اور محدود رابطوں سے لے کر ناتجربہ کار عناصر کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں اور تعلقات میں فرہنگی اور فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے پر زور دیتے ہیں۔ ایک ایسا کار نامہ جو آپؑ کی سیاسی و فکری آرزوؤں کی بنیاد بھی ہے اور سیاسی طور پر ایک بہترین تقیہ بھی؛ جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؑ کا یہ حکیمانہ طرزِ عمل اس بات کا ہرگز موجب نہیں بن سکتا ہے کہ اپنے چاہنے والے قریبی ساتھیوں اور تمام شیعوں کو امامت کی تحریک سے بالکل الگ کر دے اور شیعوں کی دیرینہ خواہش یعنی اسلامی اور علوی نظامِ عدل کو معاشرے میں نافذ کرنے کی اُمنگ کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش اور جدّوجہد کو ان کے دلوں میں ہمیشہ اُجاگر اور زندہ و جاوید نہ رکھے۔ یا مناسب ترین مواقع میں اس راہ کی تکمیل کے لیے مناسب اقدامات اور ان کے دلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے

اس طرف راغب نہ کرے۔

اپنے چاہنے والوں کو مستقبل قریب میں ان کی دیرینہ خواہشات کی تکمیل کی نوید حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام کی سیرتِ طیّبہ کا اُمید بخش پہلو ہے اور آپؑ کی زندگی کا یہ پہلو اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام اپنے آپ کو شیعوں کی اس تدریجی تحریک میں کہاں اور کس مرحلے میں دیکھتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقرعلیہ السلام کا گھر آپؑ کے خاندان اور آپؑ کے چاہنے والوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، اتنے میں ایک عمر رسیدہ شخص وارد ہوا اور سلام کرنے کے بعد کہنےلگا: اے فرزند رسولؑ! میری جان آپؑ پر قربان! خدا کی قسم! میں آپؑ اور آپؑ کے چاہنے والوں سے محبت اور دوستی رکھتا ہوں اور خدا کی قسم! میری یہ دوستی اور محبت دنیاوی زندگی کی طمع اور لالچ میں نہیں ہے۔ میں آپؑ کے دشمنوں سے دشمنی اور ان سے اظہار سے برائت و نفرت کرتا ہوں، میرا یہ کینہ اور ان سے دشمنی اس لیے نہیں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی خونریزی ہوئی ہے۔ خدا کی قسم! میں آپؑ کے اوامر اور نواہی کی پاسداری کرتا ہوں اور اس بات پر مکمل بھروسہ اور عقیدہ رکھتا ہوں کہ ایک نہ ایک دن آپؑ کو خدا کی طرف سے فتح و نصرت ضرور حاصل ہوگی اور میں اس وقت کا

شدت سے انتظار کرتا ہوں کیا میرے اس عمل اور کردار کی بنیاد پر میری نجات کی کوئی اُمید ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اس بوڑھے شخص کو اپنے قریب بلایا اوراپنے پاس بٹھا کر ارشاد فرمایا: ''اے بزرگ! ایک شخص نے میرے پدرِ بزگوار امام علی بن الحسین علیہما السلام سے بھی یہی سوال کیا تھا۔ چنانچہ میرے والد بزرگوار نے فرمایا تھا: اگر تم اس آرزو کی تکمیل کے انتظار میں انتقال کر جاؤ تو یقیناً تمہارا حشر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی بن ابیطالب علیہما السلام، حسن و حسین علیہما السلام اور مجھ علی ابن الحسین علیہما السلام کے ساتھ ہوگا۔ تمہارا دل ٹھنڈا، تمہاری جان کامیاب اور تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور خدا کے بزرگ ترین بندوں کے ساتھ آغوشِ رحمت و سکون اور ان کے سائے میں تمہیں جگہ ملے گی اور اگر تم زندہ رہے تو اس دنیا میں ایک دن اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھو گے کہ جس کے دیکھنے کے سبب تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اس وقت ہمارے پہلو میں بہترین مقام اور منزل پر خود کو پاؤ گے۔'' وہ بوڑھا شخص وہاں سے جانے لگا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: ''جو کوئی کسی اہلِ بہشت کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ اس بوڑھے شخص کو دیکھ سکتا ہے۔''[۱]

۱۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص۳۶۱۔۳۶۲

کبھی کبھار تو آپؑ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور اپنی فتح و کامیابی کا سال بھی لوگوں کے سامنے مشخص فرماتے اور اپنے شیعوں کی دیرینہ خواہش اور آرزو کو جامۂ حقیقت پہناتے ہیں۔

ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ آپؑ فرماتے تھے: خدا نے اس کام (یعنی حکومتِ الٰہیہ اور علوی نظام) کے لیے ۷۰ھ ق کو معین کیا ہوا تھا لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر وہ خاک نشینوں سے ناراض ہوا اور اس کام کو ۱۴۰ھ ق تک مؤخر کر دیا۔ ہم نے اس وعدے کو تمہارے لیے (نزدیک ترین شیعوں کے لیے) کھول کر بیان کر دیا اور تم لوگوں نے اس راز کی پاسداری نہیں کی اور اسے دوسروں کو بتا دیا، اس لیے خداوند عالم نے اس کام کے لیے ہم سے کسی خاص اور معین وقت کا وعدہ نہیں کیا؛ یقیناً خدا جسے چاہے محو کرتا ہے اور جسے چاہے ثبت کرتا اور باقی رکھتا ہے۔ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ میں نے یہی بات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی تو آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! بالکل ایسا ہی تھا۔[1]

نظامِ اسلامی کی تشکیل اور حکومتِ علوی سے متعلق حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بیانات وہ بھی بنو اُمیہ کے

۱۔ الکافی، ج۱، ص۳۶۸

اس پُرآشوب دورِ حکومت میں، جبکہ ہر طرف شیعوں کے لیے زمین تنگ ہوتی جارہی تھی درحقیقت ایک دل انگیز خواب اور ستم دیدہ (افراد اور بالخصوص) شیعوں کی آخری تگ و دو اور آرزو کی تکمیل کے لیے اُمیدِ سحر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جسے وہ ایک یقینی اور خدا کے حتمی فیصلے کے طور پر دیکھتے ہیں اور اسی عقیدے اور نظریے کی بنیاد پر وہ وقت کے مقتدر ترین حکمرانوں کے سامنے بھی سرِتسلیم خم ہونے کی بجائے اس پُرخطر راہ میں پیش آنے والے ہر طرح کے خس و خاشاک اور نشیب و فراز کا مقابلہ کرتے اور اپنی منزلِ مقصود کی طرف گامزن نظر آتے ہیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے دورِ امامت کے پورے انیس سال ایک زنجیر کی مختلف لڑیوں کی مانند آپس میں جڑے ہوئے روشن اور واضح حکمتِ عملی کے ساتھ گزرے۔

مجموعی طور پر آپؑ کے دورِ امامت کے یہ انیس سال یوں ایک سیدھے اور روشن راستے کی مانند گزر گئے مگر ان انیس سالوں میں آپؑ نے لوگوں کو آئیڈیالوجی کی تعلیم بھی دینی تھی، انفرادی طور پر لوگوں کی تربیت بھی کرنی تھی جنگی حربے بھی آزمانے تھے تو دوسری طرف تنظیم سازی اور اپنے سیاسی موقف کی حفاظت بھی کرنی تھی اور تقیہ کے اصولوں کو بھی اپنانا تھا اور ساتھ

ہی لوگوں کے دلوں میں اُمید کی شمعیں بھی روشن رکھنی تھیں۔ مختصر یہ کہ آپؑ کا انیس سالہ دورِ امامت سخت جدوجہد اور سنگلاخ و دشوار راستوں کو طے کرنے سے عبارت ہے۔ یوں آخر کار آپؑ کی مختصر اور بابرکت زندگی اپنے اختتام کو پہنچتی ہے۔

علوی تحریک کے دیرینہ دشمن اس کے دھڑکتے دل کے خاموش ہونے پر یہ سمجھتے تھے کہ شاید اب وہ سکھ کا سانس لے سکیں گے اور شیعوں کی تبلیغات اور تعلیمات سے مکمل چھٹکارا حاصل کرکے ملک کے اندرونی اور بیرونی دشمن عناصر کا مقابلہ کر سکیں گے۔ ایسے میں اس بھڑکتی ہوئی اور جھلسا دینے والی بھٹی سے بنو اُمیہ کی حکومت کی بنیادوں پر آخری بجلی گرتی ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وصیت

چنانچہ جس طرح حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنی ساری زندگی بنو اُمیہ کے ہتھکنڈوں کو اُجاگر اور عیاں کرنے میں گزاری اسی طرح اپنی رحلت کے بعد بھی اس کام کو جاری رکھنے کا پورا اہتمام اپنی حیات میں ہی کرتے ہیں، جس طرح آپؑ اپنی زندگی میں لوگوں کو علم و آگاہی فراہم کرتے رہے اسی طرح اپنی رحلت کے بعد بھی اس سلسلے کو جاری رکھنے کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

آپؑ اپنے اصحاب اور بے خبر لوگوں کی کثیر تعداد کے نام جن میں سوچنے اور سمجھنے کی لگن تھی ایک تازہ اور نیا پیغام بھیجتے ہیں۔

آپؑ کا یہ پیغام بھی آپؑ کی زندگی کے مجموعی حالات کی طرح بڑا پُرسکون اور عمیق ہے۔ آپؑ کے اس پیغام سے جہاں آپؑ کے ساتھی اور دوسرے ضرورت مند بہرہ مند ہوتے ہیں وہاں آپؑ کے دشمنوں کی نیند میں بھی کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ یہ امام محمد باقر علیہ السلام کے تقیہ کے اصول پر عمل کی ایک مثال ہے جو اُس مخصوص دور کے عمومی حالات اور آپؑ کے طرزِ عمل کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔

جن لوگوں نے بعد میں امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے حالات کو تاریخ کے صفحات میں قلمبند کیا ہے وہ بھی آپؑ کے اس عظیم اقدام کے بارے میں جسے آپؑ نے ایک مختصر حدیث کے ذیل میں بیان فرمایا، غفلت یا لاپرواہی کا شکار ہوئے ہیں۔ کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو نہ دیکھا ہو؟!

مختصر طور پر اتنی سی بات ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اپنی زندگی کے آخری لمحات میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپؑ کی جائیداد کے ایک حصّے (آٹھ سو درہم) کو آئندہ دس سال تک آپؑ کی مجلس عزا

اور آپؑ پر گریہ کرنے کے لیے خرچ کیا جائے۔ عزاداری کا مقام میدانِ منیٰ ہے؛ زمان اور وقت حج کے ایام ہیں۔

چونکہ حج ایک ایسا موسم ہوتا ہے جس میں دور دراز کے رہنے والے ہزاروں، لاکھوں افراد ایک ہی وقت میں ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ یہ مختلف زبانوں (اور رنگ و نسل) والے ہم خیال لوگ وہاں جمع ہو کر ایک ہی زبان میں اپنے ربّ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی طرح مختلف قوموں سے تعلق رکھنے والے افراد کا ایک پرچم تلے جمع ہونے کا عملی مشاہدہ کرتے ہیں۔

اگر کسی پیغام کو دنیا کے گوشہ و کنار تک پہنچانا مقصود ہو تو اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا ہے۔ دوسری طرف چونکہ مناسکِ حج چند دنوں میں متواتر اور مختلف مقامات پر انجام دیئے جاتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ مجلس عزا منعقد کرنے کے لیے ان میں سے مناسب وقت اور جگہ کونسی ہے؟ مکہ ایک شہر ہے، جہاں لوگ پھیلے ہوئے بھی ہوتے ہیں اور مصروف بھی۔ اس کے علاوہ یہاں لوگ اعمالِ حج بجالانے میں مشغول ہوتے ہیں، طواف، سعی اور نماز وغیرہ۔ مشعر الحرام رات کے ٹھہرنے کی ایک جگہ ہے جہاں مجلس عزا کے لیے نہ تو وقت مناسب ہے اور نہ ہی جگہ۔ مختصر یہ کہ مشعر منیٰ کے راستے پر واقع ایک اسٹیشن سے زیادہ کچھ نہیں

ہے۔عرفات اگرچہ دن کے وقت ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن یہاں بھی ایک مختصر مدت یعنی صرف ایک دن کے لیے ٹھہرتے ہیں، وہ بھی صبح کے وقت تھکے ہارے پہنچتے ہیں اور پھر عصر کے وقت وہاں سے اپنی اگلی منزل کی طرف روانگی کی تیاری ہوتی ہے۔ پس (اس کام کے لیے) سب سے بہترین جگہ منیٰ ہے، جہاں پر عرفات سے واپسی پر حجاج کرام مسلسل تین دن ٹھہرتے ہیں۔ لہٰذا حجاج کرام کے لیے ایک دوسرے سے واقفیت حاصل کرنے اور آپس میں دردِ دل بیان کرنے کے لیے یہ مناسب ترین جگہ ہے؛ کیونکہ اس دوران کونسا حاجی ایسا ہے جو دن کو مکہ جاکر خانہ کعبہ کی زیارت کرے اور رات کو دوبارہ منیٰ آنے کی زحمت برداشت کر سکے؟ لہٰذا حجاج کرام کے لیے ہر محفل، ہر کاروان اور ہر اجتماع کے پاس جاکر ملنے کا یہ بہترین اور مناسب وقت ہوتا ہے۔ فطری طور پر تمام لوگوں کو اس مجلس عزاء کے بارے میں پتہ چلتا ہے جو ہر سال ان تین دنوں کے دوران اسی مقام پر منعقد کی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ دنیا بھر کے لوگوں کو پتہ چلنے لگا کہ کئی سالوں سے اہلِ مدینہ (یعنی اسلام کے اصلی مرکز اور صحابہ کرام، فقہائے عظام اور محدّثین کبار کے مسکن) کا ایک گروہ ہر سال انہیں ایام میں یہاں پر ایک مجلس عزاء برپا کرتا ہے۔

(مگر) کس کے لیے؟ اسلام کی ایک جانی پہچانی شخصیت یعنی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی یاد میں، خاندانِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم انسان کی یاد میں، تمام فقہائے کرام کے سردار اور محدثین عظام کے استاد اور فقہ و حدیث سے تعلق رکھنے والے تمام دانشمندوں کے استاد کی یاد میں۔ یہ لوگ کیوں اس طرح مجلس عزا برپا کر رہے ہیں؟ کیا وہ اپنی طبعی موت رحلت نہیں فرما گئے تھے؟ کس نے انہیں قتل کیا یا زہر دیا تھا؟ اور کیوں؟ انہوں نے کیا کیا تھا؟ ان کا قصور کیا تھا؟ وہ کہہ کیا رہے تھے؟ کیا ان کا ایک خاص دعویٰ اور نکتہ نظر تھا؟ کیا وہ لوگوں کو اپنی طرف دعوت دے رہے تھے؟ کیا وہ خلیفۂ وقت کے لیے خطرہ تھے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے سینکڑوں سوالات اور ابہامات کے پیچھے صاحبانِ عزا اور دوسرے جاننے والوں کی طرف سے کئی جوابات جو اس عظیم اجتماع میں جگہ جگہ دیا کرتے تھے، جو مدینہ یا کوفہ سے اس لیے یہاں آتے تھے تاکہ لوگوں کے سوالات کے جوابات دے سکیں۔ وہ یہاں اس لیے آتے تھے تاکہ اس بہترین موقع سے استفادہ کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے اصل حقائق بیان کر سکیں، نیز اپنے بھائیوں اور دوستوں سے ملاقات کر سکیں، انہیں اپنے حالات سے آگاہ کر سکیں اور اپنے لیے نئے احکامات حاصل کر سکیں۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس کا مقصد اس

زمانے کے اس تبلیغاتی مرکز کے سینکڑوں ذرائع سے شیعیت کی تبلیغ اور نشر و اشاعت تھا۔ یہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا کامیاب منصوبہ تھا (جو آپؑ کی رحلت کے بعد جہاد کا منصوبہ ہے) اور یہ ہے وہ بابرکت ہستی کہ جس کی زندگی بھی خدا کے لیے تھی اور موت بھی خدا ہی کے لیے ہوئی "وَجَعَلَنِي مُبارَكاً أَيْنَ ما كُنْتُ... وَسَلامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" [۱]

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد مجموعی حالات

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ۵۷سال کی عمر میں بنی اُمیہ کے مقتدر ترین خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں شہادت پائی۔ سلطنت کے ناگفتہ بہ حالات، بے شمار مصروفیات، مشاغل اور وسیع و عریض مملکت کو درپیش مشکلات بھی اس امر میں رکاوٹ نہ بن سکیں کہ ہشام کو شیعی تنظیم کے اس دھڑکتے دل (یعنی امام محمد باقر علیہ السلام) کے خلاف سازشوں سے غافل کر سکیں۔ ہشام کے حکم سے اس کے کارندوں نے امامؑ کو زہر دیا

۱۔ اور میں جہاں بھی ہوں میرے وجود کو خدا نے بابرکت قرار دیا ہے۔
۔ ۔ ان پر (ہمارا) سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انہیں موت آئے گی اور جس دن وہ دوبارہ زندہ اُٹھائے جائیں گے۔ (سورہ مریم، آیات۱۵ و ۳۱ سے اقتباس) (پیشوائے صادق، ص۳۳۔۵۴)

اور بنو اُمیہ کے طاغوتی حکمرانوں نے مملکت کی مغربی اور مشرقی سرحدوں پر اپنی کامیابیوں اور فتوحات کی لذتوں اور سرمستیوں کو سلطنت کے اندر اپنے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن کے قتل سے مکمل کر دیا۔

بنو اُمیہ کی سرکار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی زندگی کے آخری اور آپؑ کے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں اپنے زمانے کے انتہائی سخت اور نازک ترین دور سے گزر رہی تھی۔ جہاں ایک طرف شمال مشرقی سرحد پر (ترکستان اور خراسان) شمال میں (ایشیائے صغیر اور آذربائیجان) اور مغرب میں (افریقہ، اندلس اور یورپ) کی سرحدوں پر حکومت مخالف عسکری طاقتوں کے مظاہرے ہوتے تھے تو دوسری طرف عراق اور خراسان کے نواحی علاقوں اور شمالی افریقہ میں مسلسل جنم لینے والی شورشیں جو عموماً یہاں کے ناراض اور مظلوم مقامی لوگوں یا کبھی کبھار بنو اُمیہ سے تعلق رکھنے والے سرداروں کے اُکسانے یا ان کی مدد سے سر اُٹھا رہی تھیں۔[1]

۱۔ مورّخین بغیر کسی استثنا کے ان سب کو خوارج سے منسوب کرتے ہیں، جو خود ان بغاوتوں اور تحریکوں کے خلاف اُموی دربارِ خلافت کے مخصوص الزامات کی نشاندہی کرتی ہے ان تمام شورشوں اور تحریکوں میں سے اکثر یا کم از کم بعض گروہ تو حق پر تھے۔ (مؤلف)

اسی طرح دوسری طرف پوری سلطنت کے نامنظّم اور مخدوش معاشی حالات خصوصاً سرزمین عراق کے مختلف علاقے (جہاں بادشاہ کی املاک کی حفاظت پر مامور لوگ رہ رہے تھے یا وہاں کی بھر پور پیداوار دینے والی اکثر زمینیں خود خلیفہ یا اس کے گماشتوں کی ہوتی تھیں) نیز خود ہشام اور عراق میں اس کے مقتدر گورنر (خالد بن عبد اللہ قسری[۱]) کے خُرد بُرد کے واقعات اور آخر کار بنو اُمیہ کی سرپرستی میں ان کے مشہور حکمران کے ذریعے چلائے جانے والی اس وسیع و عریض مملکت کے مختلف علاقوں خراسان، عراق اور شام میں قحط اور وبائی بیماریوں نے عجیب و غریب حالات پیدا کر دیئے تھے، اس پر عالم اسلام کا سب سے بڑا اور اہم معنوی، فکری اور نفسیاتی

۱۔ خالد بن عبد اللہ قسری پر یہ الزام تھا کہ اس کی سالانہ آمدنی تیرہ ملین ہے۔ ہشام نے اسے ایک خط لکھا کہ کوئی شخص اس وقت تک اپنا غلہ فروخت نہ کرے جب تک امیر المومنین (یعنی خلیفہ) کا غلہ فروخت نہیں ہوتا! خالد نے جو دل سے خلیفہ کا ہم خیال نہ تھا اپنے ایک خطبے میں کہا: لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ قیمتیں میں بڑھاتا ہوں۔ جو بھی قیمتیں بڑھاتا ہے اس پر اللہ کی لعنت ہو! (یعنی وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ خلیفہ کا کام ہے۔) ہشام کی بیوی کے پاس ایک ایسا لباس تھا کہ جس کے تار سونے کے تھے اور اس پر انتہائی قیمتی نگینے جڑے ہوئے تھے اور وہ اتنا وزنی تھا کہ وہ اسے پہن کر چل بھی نہیں سکتی تھی۔ بڑے بڑے دولتمند اس کی قیمت کا تعین نہیں کر سکے تھے اور خود اس کے پاس ریشم اور سونے سے تیار کیا ہوا ایک ایسا فرش تھا کہ جس کی لمبائی ۱۰۰ہاتھ اور چوڑائی ۵۰ہاتھ تھی۔ (ابن اثیر، ج۵، ص۲۲۰؛ بین الخفاء و الخلفاء، ص۲۸ اور۵۶) (مؤلف)

نقصان مستزاد تھا۔

اُموی حکمرانوں کی قدرت طلبی اور ظلم و استبداد کے نتیجے میں اسلامی مملکت کے پریشان حال اور غمزدہ ماحول میں جہاں غربت، بدآمنی اور بیماریاں وہاں کے بےسہارا لوگوں کے سروں پر بجلی بن کر گر رہیں تھیں، وہاں فضیلت، تقویٰ، اخلاقیات اور معنویات کے پودے کا پروان چڑھانا بظاہر ایک مشکل اور ناممکن عمل دکھائی دیتا ہے۔

علماء، قاضی صاحبان، محدّثین اور مفسرین جنہیں ان بےسہارا اور مظلوموں کے لیے پناہ گارہ بن جانا چاہیے تھا وہ نہ صرف یہ کہ لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے کوئی عملی اقدام نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر اوقات وہ خود بھی سیاست دانوں سے بھی زیادہ خطرناک انداز میں لوگوں کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے در پے رہتے تھے۔

فقہ، کلام، حدیث اور تصوّف و عرفان کے نامور علماء جیسے حسن بصری، قتادہ بن دعامہ، محمد شہاب زہری، ابن بشر، محمد بن المکندر، ابن ابی لیلیٰ جیسے دسیوں لوگ دربارِ خلافت سے وابستہ ہو کر درحقیقت خلافت کے مہرے یا حکمرانوں کے ہاتھوں کھلونے بن چکے تھے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ان مشہور و معروف شخصیات کے حالات زندگی کا جائزہ لیا جائے تو محقق اور تجزیہ نگار کے سامنے یہ لوگ اپنی ناپاک خواہشات میں غرق، طاقت اور نام و نمود کے شیدائی، لذتوں کے طلبگار، ڈرپوک، پست فطرت، عافیت طلب، بے‌بس ریاکار اور بے‌وقوف زاہد یا علم کلام اور اعتقاد کی خونی مباحث میں سرگرم نظر آتے ہیں۔[۱]

قرآن اور حدیث جنہیں معرفت اور عمدہ و نیک صفات کی بنیاد ہونا چاہیے تھا، ان مقتدر حکمرانوں اور نام نہاد علماء کے ہاتھوں میں بازیچہ بن کر رہ گئے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کا آغاز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس زہر آلود، گھٹن زدہ، تاریک، مشکلات سے پُر اور دُشوار زمانے میں امانتِ

۱۔ ان لوگوں کی بے‌حیائی، خیانت آمیز اور بے‌وقوفانہ نظریات کی سینکڑوں مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ: حسن بصری جو حجاج بن یوسف جیسے (ظالم و جابر، خون آشام اور بے‌نمازی) شخص کے خلاف جہاد کو جائز نہیں سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ میری رائے تو یہ ہے کہ اس کو نہ چھیڑا جائے کیونکہ اگر وہ تم لوگوں پر خدا کا مسلط کردہ عذاب ہے تو تم اس خدائی عذاب کو اپنی تلواروں کی طاقت سے ہٹانے کی طاقت نہیں رکھتے اور اگر وہ تم پر نازل ہونے والی بلا ہے تو صبر کرو تاکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس بلا کو ٹال دے کیونکہ وہ بہترین حکم دینے والا ہے! (طبقات ابن سعد، ج۱، ص۱۱۹، نقل از نظریۃ الامامۃ، محمود صبحی، ص۲۳) (مؤلف)

الٰہی یعنی ’’امامت‘‘ کے اس بارِ گراں کو اپنے کاندھوں پر اُٹھایا۔ اندازہ کیجئے کہ ’’امامت‘‘ کا معاملہ کس قدر اہم اور حیات بخش ہے خصوصاً ایسے مظالم اور مشکلات سے پُر زمانے میں ایک ایسی اُمت کے لیے جو پریشان حال، فریب خوردہ، مظلوم اور بےشعور ہو، امامت کو اس مفہوم میں سمجھانا جسے ہم نے شیعہ تہذیب و ثقافت میں سمجھا اور پہچانا ہے، انتہائی اہم اور ضروری ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ امامت دو حیات بخش تحریکوں کا سرچشمہ ہے: صحیح اسلامی فکر کا پرچار اور عادلانہ توحیدی نظام کا قیام۔ امام پر یہ دونوں ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی ذمہ داری مکتب کی تشریح، تطبیق اور تفسیر ہے (جس کا لازمہ تحریفات، جاہلانہ رسوم و رواج اور خود غرضیوں سے مقابلہ کرنا ہے)۔

دوسری ذمہ داری عدل و انصاف پر مبنی توحیدی نظام کا قیام ہے اور ایسے نظام کی موجودگی کی صورت میں اس کی حفاظت کرنا ہے۔ اب ایسے پُرآشوب اور ناگفتہ بہ حالات میں امام جعفر صادق علیہ السلام اس بارِ امانت کو اپنے کاندھوں پر لیتے ہوئے ان دونوں ذمہ داریوں کو اُٹھاتے ہیں۔ ایک ہی وقت میں یہ دونوں ذمہ داریاں آپؑ کے سامنے تھیں تو سوال یہ تھا کہ آپؑ کو پہلے کس کو انجام دینا چاہیے؟

یہ بات صحیح ہے کہ سیاسی کاموں میں بہت ساری مشکلات ہوتی ہیں اور یہ کوئی ایسا معمولی کام نہیں کہ جسے اُموی خلیفہ ہشام اپنی تمام تر مصروفیات اور اختلافات کے باوجود آسانی سے کرنے دے اور پھر ایسا کرنے والوں سے اس کا سخت بدلہ نہ لے۔ لیکن فکری اور نظریاتی کام (یعنی تحریفات سے مبارزے کا کام) درحقیقت خلافت کی شہ رگ کو کاٹنا ہے۔ ایک ایسی حکومت کہ جس کے پاس اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لیے دین میں انحرافات کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔[۱] لہٰذا امامؑ کو اس کام کی ہرگز اجازت نہیں دی گئی۔ نہ تو ہشام کی طرف سے اور نہ ہی علمائے عامہ، یعنی وہ علماء جو خود بھی

۱۔ یہ ایک بہت ہی غور طلب بات ہے کہ اسلامی معاشرے کے صحیح اسلامی طرزِ فکر سے واضح انحراف کے باوجود عام لوگوں بلکہ بعض سرداروں کے ذہنوں میں دینی عقیدت اس قدر مضبوط ہوگئی تھی کہ ان کے عمل اور زندگی پر اس کا گہرا اثر تھا۔ اسی عمومی عقیدے (جو بدقسمتی سے ایک من گھڑت عقیدہ تھا) ہی کے ذریعے خلفاء اپنی ذلت آمیز زندگی کو محفوظ رکھ سکتے تھے۔ دینی عقیدے کی اس پابندی سے حکمران کیسے استفادہ کرتے تھے اس کی ایک مثال ''بیعت'' کے مسئلے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ تھے جو خلیفہ کے تمام تر انحرافات کو دیکھنے کے باوجود صرف اس عہد و پیمان کے احترام میں کہ ''بیعت کا عہد'' توڑنا حرام ہے۔ خلیفہ سے کی ہوئی بیعت کا پاس رکھتے تھے اور اس کی باتوں سے روگردانی نہیں کرتے تھے اور کتنے ہی مواقع پر ''وصیت'' اور ''بیعت'' نے نظامِ خلافت کو بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور یہ ان بدعنوان خلفاء کے خلاف منظم جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ بنی ہیں۔ (مؤلف)

عمومی اور معاشرے میں رائج تنزّلی اور انحراف کی راہ پر بھر پور طریقے سے گامزن تھے، کی طرف سے اس کی اجازت دی گئی۔

دوسری طرف شیعوں کے اپنے انقلابی نظریات پھیلانے کے لیے بھی حالات سازگار ہیں (کیونکہ ملک میں) ایک طرف خانہ جنگی اور فقر و فاقہ ہے تو دوسری طرف ظلم و استبداد کا راج ہے۔ یہ تینوں عوامل کسی بھی معاشرے میں انقلاب برپا کرنے کے بنیادی عوامل ہیں اور پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو گذشتہ اماموں نے نہ صرف اپنے قریبی علاقوں بلکہ دُور دراز کے علاقوں میں بھی حالات کو ایک حد تک سازگار بنا دیا ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جہاں لوگوں کے ایک گروہ کی موجودگی میں جو نظریہ امامت کو جانتا ہے اور اسے قبول بھی کرتا ہے اور نظریۂ امامت کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کا پورے ذوق و شوق سے منتظر ہے تو ایک دوسرا ایسا گروہ بھی موجود ہے جو اپنے پورے مصمم ارادے کے ساتھ مبارزاتی تنظیم سے ملحق ہو چکا ہے، ایسے میں امامت کی مجموعی پالیسی ایک توحیدی اور علوی انقلاب برپا کرنا ہے۔

اس عمومی پالیسی کا منطقی نتیجہ پورے عالم اسلام میں ایک ہمہ گیر دعوت ہے جس کا مقصد جہاں ایک طرف ہر سطح کے لوگوں کے لیے شیعی نظریات کو قبول کرنے

کا مناسب ماحول فراہم کرنا ہے تو وہاں دوسری طرف شیعوں کی خفیہ تنظیم کے لیے مؤثر فداکار افراد بھی تیار کرنا ہے۔

امامت کی سچی دعوت کے کام کی دشواری کا راز اسی نکتے میں پوشیدہ ہے۔ (کیونکہ) جب ایک مکمل نظریاتی دعوت، اسلام کے بنیادی اصولوں اور معیاروں کا پاس رکھتے ہوئے حکومت کو لوگوں پر ظلم و استبداد اور ان کے حقِ آزادی کو پامال کرنے سے روکنا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کے فہم و شعور پر تکیہ کرتے ہوئے ان کی فطری خواہشات اور ضرورتوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی پیش رفت کو مسلسل جاری رکھا جائے۔

اس کے برعکس ایسی تحریکیں جو بظاہر فکری اور نظریاتی نعروں کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کرتی ہیں، لیکن عملی میدان وہ اپنے اخلاقی اور اجتماعی اصولوں کو نظر انداز کرکے معاشرے کے دوسرے طاقتور لوگوں کی طرح اپنی طاقت و قدرت کا اظہار کرتی ہیں اور وہ اس کام میں کوئی مضائقہ بھی نہیں سمجھتی ہیں، ان کو کسی ایسی دشواری اور مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لہٰذا امامت کی تحریک کے طولانی ہونے اور اس کے مقابلے میں چلنے والی تحریکوں (جیسے بنو عباس کی تحریک) کی پیش رفت اور ان کے مقابلے میں اس تحریک کی کسی

حد تک (ظاہری) شکست کی وجہ بھی یہی ہے۔ اس بات کو تاریخی مصادر کی بنیاد پر مزید تفصیل کے ساتھ آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

مناسب اور سازگار حالات نیز گزشتہ اماموں کی بے پناہ جدّوجہد اس بات کا سبب بنی کہ شیعہ تحریکوں کے طویل اور پُرمشقت سفر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہی اس اُمید کے سچے مظہر بن گئے کہ جس کے شیعہ کئی سالوں سے منتظر تھے۔ وہ "قائم" جو اپنے اسلاف کی طویل جدّوجہد کو نتیجہ خیز بنائے گا اور شیعی انقلاب کو پورے عالم اسلام میں پھیلائے گا (مختلف مواقع پر) امام محمد باقر علیہ السلام کے اشارے کنائے اور کبھی کبھار اس کی وضاحت بھی اس خواہش کو پروان چڑھانے میں مؤثر ثابت ہوئی ہے۔

جابر بن یزید کہتا ہے: کسی شخص نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ان کے بعد قیام کرنے والے کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام) کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے فرمایا: "بخدا آل محمدؐ میں قیام کرنے والے یہ ہیں۔"[۱]

۱۔ بحار الانوار، ج۴۷، ص۱۳۱؛ پیشوائے صادق، ص۵۴-۶۱

علمی مقابلہ

اس کتاب کے متن سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کے لیے چند سوالات تیار کیے گئے ہیں، اگر آپ اس علمی مقابلے میں شرکت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے جوابات درج ذیل کسی ایک طریقے سے ہمیں ارسال فرمائیں۔

۱۔ اپنے جوابات اِس ایڈریس پر ارسال فرمائیں: مشہد مقدّس، حرم مطہر امام رضا علیہ السلام، صحن جمہوری اسلامی، مدیریت زائرین غیرایرانی، ص ب: ۳۱۳۱- ۹۱۳۷۵

۲۔ اپنے جوابات مذکورہ ای میل پر ارسال کریں:

iro@imamrezashrine.com

۳۔ اپنے جوابات حرم مطہر امام رضا علیہ السلام کی مذکورہ سائٹ کے ذریعے ارسال کریں:

www.imamrezashrine.aqr.ir

سوالات:

۱۔ "ہاشمیات" کے عنوان سے مشہور منقبت کہنے والے معروف شاعر کمیت اسدی کس زمانے میں گزرے ہیں اور اُن کی اس منقبت کا موضوع کیا ہے؟

الف: امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانے میں اور موضوع ائمہ اطہار علیہم السلام کے معنوی فضائل و کمالات اور اُن کا علم و دانش ہے۔

ب: امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں اور موضوع ائمہ اطہار علیہم السلام کے معنوی فضائل و کمالات اور اُن کا علم و دانش ہے۔

ج: امام زین العابدین علیہ السلام کے زمانے میں اور موضوع بنو اُمیہ اور آلِ مروان کے حکمرانوں اور بادشاہوں کی مدح و ثناء ہے۔

د: امام محمد باقر علیہ السلام کے زمانے میں اور موضوع بنو اُمیہ اور آلِ مروان کے حکمرانوں اور بادشاہوں کی مذمّت ہے۔

۲۔ امام محمد باقر علیہ السلام کے تحریفات کا مقابلہ کرنے سے کیا مراد ہے؟

الف: لوگوں کے لیے دینِ مقدسِ اسلام کے بنیادی

معارف اور قرآن و سنت کے احکام کی صحیح تفسیر و توضیح بیان کرنا۔

ب: بعض علماء اور فقہاء کو لالچ دینا یا ڈرانا دھمکانا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اسلامی احکام کی ترویج و تشہیر کریں۔

ج: وہ شخصیات جو تقویٰ و پرہیزگاری میں شہرت رکھتی ہیں انہیں مال و منصب دینا تاکہ وہ لوگوں کو اسلام کے عنوان سے عجیب و غریب فتوے دیں۔

د: مذکورہ تینوں موارد صحیح ہیں۔

۳۔ ائمہ معصومین علیہم السلام جو چاہتے تھے کہ ایک صحیح اسلامی اور علوی حکومت قائم کریں، تو انہیں کیا کرنا چاہیے تھا؟

الف: کسی جگہ بیٹھ جاتےاور صرف بعض اسلامی احکام بیان کرنے پر اکتفا کرتے۔

ب: لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل کرتے اور جو غلط اور اسلام مخالف نظریات ان کے ذہنوں میں بس چکے ہیں انہیں اُن کے دل و دماغ سے باہر نکالتے۔

ج: ایک اسلامی اور الٰہی حکومت کی تشکیل کے لیے راستہ ہموار کرتے اور طاغوتی و شیطانی حکومتوں کے آنے کا راستہ مکمل طور پر بند کرتے۔

د: ب اور ج دونوں مورد صحیح ہیں۔

۴۔ امام محمد باقر علیہ السلام کو "بَاقِرُ عِلْمِ الْاَوَّلِیْنَ" کہنے کا مطلب کیا ہے؟

الف: آپؑ لوگوں کے سامنے علم کی گرہیں کھولتے اور گتھیاں سلجھاتے تھے۔

ب: آپؑ قرآن مجید اور اسلامی علوم کی بہترین اور حقیقی تفسیر بیان فرماتے تھے۔

ج: آپؑ لوگوں کے لیے قرآنی حقائق آشکارا فرماتے تھے۔

د: مذکورہ تینوں موارد صحیح ہیں۔

۵۔ جب مدیَن شہر میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اصحاب پر بھوک اور پیاس کا غلبہ ہوا تو کیا واقعہ رونما ہوا؟

الف: شہر کے لوگوں نے حاکم کے خوف سے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے اور کھانے پینے کی چیزیں فروخت کرنے سے اجتناب کیا۔

ب: امام محمد باقر علیہ السلام شہر کے ایک بلند پہاڑی ٹیلے پر تشریف لے گئے اور بلند آواز میں فریاد کرتے ہوئے فرمایا: "اے شہر کے ظالم اور ستم پیشہ لوگو! میں خدا کا

وہ ذخیرہ ہوں ... ۔"

ج: مدیَن شہر کے ایک ہوشیار اور بہادر شخص نے شہر والوں کو جھنجھوڑا اور ان کے ضمیروں کو بیدار کیا تاکہ وہ گھروں سے باہر نکلیں اور امام محمد باقر علیہ السلام اور آپؑ کے اصحاب کے ہاتھوں چیزیں فروخت کریں۔

د: مذکورہ تینوں موارد صحیح ہیں۔

فردی خصوصیات

نام: ....

فیملی نام: ....

فون نمبر: ....

ایمیل: ....

ایڈریس: ....

جواب نامہ

پہلا سوال	الف	ب	ج	د
دوسرا سوال	الف	ب	ج	د
تیسرا سوال	الف	ب	ج	د
چوتھا سوال	الف	ب	ج	د
پانچواں سوال	الف	ب	ج	د